بصائر

امام رضا علیہ السلام

فإنّ الناس لو عَلِموا محاسنَ کلامِنا لاتّبعونا

اگر لوگ ہمارے کلام کی خوبصورتی کو جان لیں تو ہماری اتباع کریں گے۔

سرپرست:

حجۃ الاسلام والمسلمین جناب ڈاکٹر رضا شاکری
(نمایندہ محترم جامعۃ المصطفیٰ برای ہند)

مدیر اعلیٰ:
ڈاکٹر ذیشان حیدر عارفی

مدیر:
سید تقی عباس رضوی کلکتوی

مجلس مشاورت

سید اصل نژاد، سید فیاض حسین، سید منظور عالم جعفری، علی عباس حمیدی
اطہر حسین جعفری

نمایندگی جامعہ المصطفیٰ العالمیہ -۱۸، تلک مارگ، نئی دہلی

مقالہ نگاروں کی ذاتی آراء اور بیانات و نتائج سے "بصائر" کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

حدیث روز

میرے اہل بیت کشتی نوح کی مانند ہیں

حاکم نیشاپوری اپنی سند کے ساتھ حنش کنانی سے نقل کیا ہے کہ میں نے ابوذر سے اس حالت میں سنا جب انہوں نے ان کا ہاتھ خانہ کعبہ کے اوپر تھا، فرمایا: اے لوگو! جو مجھے پہچانتا ہے وہ مجھے پہچانتا ہے اور جو مجھے نہیں پہچانتا وہ پہچان لے، میں ابوذر ہوں، میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا: "میرے اہل بیت علیہم السلام، کشتی نوح کے مانند ہیں، جو بھی اس پر سوار ہوگیا وہ نجات پاگیا اور جس نے بھی اس سے روگردانی کی وہ غرق ہوگیا۔

(مستدرک حاکم، ج ۲، ص ۳۴۳)

فہرست مطالب

- حمد باری..۴
- اداریہ..۵
- تاریخی مناسبات اور عبرتیں...............رئیس نمایندگی جامعۃ المصطفیٰ رضاشاکری.............۷
- فاطمہ قم مدافع ولایت امام علی رضا علیہ السلام...........حیدر علی غازی.......................۱۳
- قصیدہ در مدح امام رضاعلیہ السلام..............................علی عباس امید.........................۱۵
- دختر خورشید ....آیۃ العظمیٰ وحید خراسانی/ترجمہ سید اخلاق حسین............۱۶
- امامت دین کا اہم ترین مسئلہ.................................ابو حسین.................................۱۷
- امامت امام علی رضاعلیہ السلام کی نظر میں......................فیروز علی بناری....................۱۸
- آل ابراہیم سرزمین حجاز میں ولادت اسماعیل اور ہجرت ہاجرہ............مرحوم علامہ علی نقی نقن..........۲۶
- نہج البلاغہ میں محنت ومزدوری کے تربیتی آثار.......................عادل فراز..............................۳۱
- صحیفہ سجادیہ کی روشنی میں عقلی تربیت کے اصول............فاطمہ ایرانمنش/سجاد ربانی..............۳۶
- معاشرے میں موجودہ حالات کی اصلاح...............................محمد تقی رضا..........................۴۱
- احکام وطن...منظور عالم جعفری.........................۴۴
- ماہ ذی الحجہ کی مناسبتیں...۴۹
- امام محمد باقر علیہ السلام کی نگاہ میں حقیقی شیعہ کی خصوصیات.....................صابرۃ الزہراء............۵۰
- دعائے عرفہ میں توحید کے جلوے.......................سید پیغمبر عباس نوگانوی......................۵۴
- مسلم ابن عقیل اور اخلاق اسلامی کا تحفظ.........................سید عمار رضا نقوی...................۵۸
- عید قربان اور اس کے اسرار ورموز..............................ظہور مہدی مولائی.........................۶۱
- امام علی نقی علیہ السلام اسلامی افکار کے علمبردار....................................سید علی ہاشم.........۶۴
- غدیر سیرت اہل بیت علیہم السلام کی روشنی میں.................سید حمید الحسن زیدی سیتاپوری..............۷۰
- غدیر اہل سنت کی کتب میں.......................ڈاکٹر ذیشان حیدر.................................۷۶
- امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام کے فضائل اور خصوصیات.....................ڈاکٹر شاذیہ...............۸۰
- میثم تمار، شہید راہ عشق وولایت.......................محمد حسنین باقری.........................۸۴
- مباہلہ فریقین کی نظر میں..............................سید تقی عباس رضوی کلکتوی......................۸۷
- آیت اللہ سید امجد حسین رضوی آلہ آبادی..................سید رضی حیدر پھندیڑوی...................۹۵
- اخباری تراشے..۹۷

حمد باری تعالی

حمد ہے رب کے عظیم الشان احسانات پر　　شکر ہے اس کا بھری نعمت سے کائنات پر

ماسوا سجدہ کے اے اللہ، بندہ کیا کرے　　تیری مافوق گماں، انمول توفیقات پر

دل یہ کہتا ہے کہ روح و جان ہو جائے نثار　　الفت و شفقت سے مملو تیرے اکرامات پر

روتے روتے تیری حب میں ٹوٹ جائے میری سانس　　اور یہ ھستی ختم ہو جائے تری طاعات پر

تو نے انسان و بشر اور مجھ کو بندہ کہ دیا　　کیا کروں قرباں! میں اتنے سارے اعزازات پر

مہربانی ہے تری، اذن دعا دینا مجھے　　اور ترا لبیک کہنا دل سے نکلی بات پر

اپنی ناشکری پہ ہوتا ہے مجھے بیحد ملال　　غور کرتا ہوں میں جب ماعون و عادیات پر

التجا کرتا ہوں تجھ سے اے مرے پروردگار　　گامزن فرما مجھے، اپنی رہ مرضات پر

ان کو کفارہ بنادے میرے عصیاں کا کریم　　یہ صلہ دے مجھ کو تو امراض و تکلیفات پر

مت سزا دینا مجھے عقبی میں اے رب لطیف　　میرے موذی اور برے اعمال و اقدامات پر

اس ظہور ناتواں پر کر دے یہ لطف مزید　　اس کو کر غلبہ عطا شیطاں کے تلقینات پر

اداریہ

اس خدائے وحدہ لاشریک کا ہم پر بہت بڑا احسان ہے کی اس نے ہم کو بشر قرار دیا اور ہم کو عقل و خرد جیسے تحفہ سے نوازا اور اسی کے ساتھ اسلام جیسی عظیم نعمت سے سرفراز فرمایا کیونکہ قرآن کے مطابق اس دین سے بہتر کوئی دین نہیں ہے اور اس دین کے سوا بارگاہ الٰہی میں کوئی دین قابل قبول نہیں ہے.

اس کا اس بات پر بھی بے انتہا شکر کہ اس نے ہم کو ثقلین کے دامن سے وابستہ رہنے کی توفیق دی کہ جن سے وابستگی کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باعث نجات قرار دیا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بارہا اپنی امت کو اس خطرے سے آگاہ کیا تھا کہ ان کی امت بھی سابقہ امتوں کی طرح مختلف فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی جبکہ نجات ایک ہی فرقہ کو ملے گی اور وہ فرقہ، وہ ہو گا جو قرآن کریم اور میرے اہل بیتؑ سے وابستہ رہے گا اور ان کی اطاعت اور فرمانبرداری کرے گا، اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن فہمی کی خاطر اپنے اہل بیتؑ کو قرآن کے ساتھ قرار دیا ہے لہذا وہی اس کے حقیقی مفسر اور آپ کے اصلی جانشین ہیں جو لوگوں کو قرآن کے مطابق ھدایت کر سکتے ہیں اسی لئے آپ نے ان کو ''سفینہ نوح''،''باب حطہ''، ''چراغ ہدایت'' وغیرہ جیسے القاب سے تعبیر کیا اور کبھی صحابہ کرام کو سمجھانے کے لئے واضح طور پر فرمایا: ان کا گوشت میرا گوشت ان کا خون میرا خون ہے۔۔۔ یہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں یعنی یہ مجھ جیسے ہیں اگر ایک دن میں نہ رہوں تو اِدھر اُدھر نہ بھٹکنا بلکہ میرے بعد ان کی اتباع کرنا ان کے نقش قدم پر چلنا ایک مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا ان سے آگے نہ بڑھنا نہ ان سے پیچھے نہ رہنا ان کو سکھانے کی کوشش نہ کرنا۔

لہذا ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم خدا اور رسول کے حکم کی پیروی کرتے ہوئے اہل بیتؑ سے محبت کے ساتھ ساتھ ان کی پیروی کریں اور ان کے فرمودات کو صحیح طور پر سمجھیں اور دوسروں کو سمجھائیں اور اس طرح پوری دنیا کو مکتب اہل بیتؑ سے روشناس کرائیں کہ ان کی شناخت، اطاعت اور ولایت ہی پوری کائنات کے لئے موجب امن ہے پیروان مکتب اہل بیتؑ کی ذمہ داری ہے اس عزیز ترین دین الٰہی کو مکمل طور پر سیکھیں اور دوسروں کو اسکی صحیح تعلیم دیں خاص طور سے دینی مدارس کا فریضہ ہے کہ وہ اس دین کا مختلف طریقوں سے ابلاغ کریں الحمد للہ اگرچہ اب تک وہ اپنی اپنی وسعت کے مطابق اس فریضہ کو انجام دے رہے ہیں، امید ہے ان شاء اللہ آیندہ بھی بہتر سے بہتر طور پر اس کام کو آگے بڑھائیں گے نمایندگی جامعۃ المصطفیٰ بھی اپنی متعدد کاوشوں کے باوجود ''مجلہ بصائر'' کی شکل میں اہل بیت علیہ السلام کا پیغام قارئین تک پہنچا رہی ہے خداوند متعال سے دعا ہے کہ وہ دین کے تمام خدمتگاروں کو اجر عظیم سے نوازے۔

ماہ ذیقعد کی مناسبتیں

۱۔ ذیقعدہ ولادت حضرت معصومہ قم علیہا السلام

۱۱۔ ذیقعدہ ولادت حضرت امام رضا علیہ السلام

۲۳۔ ذیقعد شہادت حضرت امام رضا علیہ السلام (ایک روایت کے مطابق)

۲۵۔ ذیقعد دحوالارض

تاریخی مناسبات اور عبرتیں

از رئیس نمایندگی جامعۃ المصطفیٰ حجۃ الاسلام رضا شاکری

انسان کو ہمیشہ تاریخ کو ذہن میں رکھنا چاہیے اور اس سے درس سیکھنا چاہیے تبھی انسان زندگی میں کامیاب ہو سکتا ہے چونکہ مجلہ حاضر ماہ ذیقعدہ اور ماہ ذی الحجۃ سے متعلق ہے اس لئے ہم نے ارادہ کیا ہے اس تحریر میں ان مہینوں کی اہم تاریخوں کی طرف اشارہ کرتے ہوے ان سے ملنے والے اسباق و دروس کا ذکر کریں۔

۱۔ ذیقعدہ:

ماہ ذیقعدہ کی پہلی تاریخ حضرت معصومہ قم علیہا السلام کے اس عالم ہستی میں آمد کی مبارک تاریخ ہے جس میں خانوادہ امامت مسرت سے جھوم اُٹھا کیونکہ یہ وہ خاتون ہیں جو ایک عظیم حیثیت رکھتی ہیں ان کے پدر گرامی امام موسی کاظم علیہ السلام نے ان کی علمی استعداد کو دیکھ کر فرمایا: "فدا ابوھا" آپ شجاعت او شہامت میں اس مقام پر تھیں کہ آپ نے حضرت زینب سلام اللہ کی طرح اپنے بھائی کی حمایت اور عباسی حکومت کو بے نقاب کرنے کے لئے مدینہ سے مرو کا رخ کیا لیکن ظالم حکومت نے راستہ میں آپ کے لشکر پر حملہ کرادیا آپ کے قافلہ کے مردوں بخصوص آپ کے بھائیوں فضل، جعفر، ہادی، قاسم اور زید رضی اللہ عنہم کو شہید کر دیا اور آپؑ کو بھی زہر دلوایا جسکی وجہ آپؑ ۱۷دن بعد شہر قم میں رحلت فرمائیں آپ کو مومنین نے احترام و اکرام سے بابلان نامی قبرستان میں دفن کیا آج خداوند متعال کے فضل و کرم سے آپ کا مزار اقدس عوام و خواص کے لئے زیارت گاہ بنا ہوا ہے آپ فضلیت کے لئے اتنا کہنا ہی کافی ہے کہ اس بی بی کا کیا مقام ہو گا جس کی قبر کی زیارت جنت میں داخل ہونے کا سبب ہو۔

حضرت معصومہ قمؑ نے اپنے عمل سے یہ درس دیا کہ تحفظ ولایت اور امامت کے لئے تحریک چلانا ہر مرد اور عورت پر ضروری ہے کیونکہ اگر امام کو درمیان سے ہٹادیا جاے تو پھر دین ہی باقی نہ رہے گا اور ایک عظیم خلل واقع ہو گا جس کا کوئی جبران نہیں ہو سکتا مگر یہ کہ خداوند متعال اسی جیسے فرد سے اس کی جگہ کو پر کرے۔

۱۱۔ ذیقعدہ:

گیارہ ذیقعدہ کو معصومہ قمؑ کے برادر بزرگ امام رضا علیہ السلام کی ولادت باسعادت کا دن ہے شیعوں کو یہ افتخار ہے کہ ان کے آٹھویں امام اور رہبر امام رضا علیہ السلام ہیں جن کی زیارت کا ثواب امام حسین کی زیارت سے بالاتر ہے شاید اس کی اصل وجہ لوگوں کو فرقہ ناجیہ کی طرف

ہدایت کرنا اور بارہ اماموں کا عقید تمند بنانا ہے کیونکہ شیعوں میں امام رضاؑ کی زیارت کے لئے شیعہ اثنا عشری ہی جاتے ہیں جبکہ امام حسین علیہ السلام کی زیارت کے لئے شیعوں کے تمام فرقہ جاتے ہیں

البتہ یہ لوگوں کی ہدایت کا ایک فلسفہ ہے ورنہ امام رضاؑ خود فرماتے ہیں ابن شبیب اگر کسی چیز پر رونا آئے تو (میرے جد) حسینؑ پر گریہ کیا کرو آپؑ نے دین کی بقاء اور مذہب تشیع کی عظمت میں نمایاں کردار ادا کیا۔

جب مامون نے شیعوں کو فریب دینے، ان کو کنٹرول کرنے کی خاطر اور اپنی حکومت کو شرعی لبادہ پہنانے کے لئے حکومت کی پیش کش کی تو آپ نے اس کو ٹھکرا دیا مامون بار بار اصرار کرتا تھا اور آپ ٹھکراتے تھے یہاں تک کہ اس کا نزدیک ترین آدمی یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ آج تک میں نے حکومت کو اتنا ذلیل و خوار نہیں دیکھا تھا

ہمارے امام علیہ السلام نے مامون کی حکومت کی پیش کش کو ٹھکرا کر اس کو ذلیل خوار کر دیا کیونکہ اگر آپ قبول کر لیتے تو یہ کہتا کہ شیعوں کے امام حکومت کے طلبگار ہوتے ہیں اس لئے اس سے بیزاری کا اظہار کیا اسی طرح مجبوری میں وزارت کو قبول کر کے اپنے کو عزل و نصب سے بے دخل رکھ کر اس کی مکارانہ چال کو بے نقاب کر دیا کیونکہ وہ امام رضاؑ کی تائید سے اپنی حکومت کو اسلامی رنگ دینا چاہتا تھا، لہذا ہمیں بھی ظالم کے سامنے ہمیشہ حق بیانی سے کام لینا چاہیے منصب کی لالچ میں کسی بھی حالت میں حق کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے اور اگر مجبورا منصب لینا بھی پڑ جائے تب بھی اس کے ظلم کو اجاگر کرنا چاہیے۔

۲۵۔ ذیقعدہ:

اس ماہ کی ۲۵ تاریخ کو خدا نے زمین کا فرش بچھایا "وَالْأَرْضَ بَعْدَ ذَٰلِكَ دَحَاهَا"[1] زمین کو اللہ نے اپنی مخلوق کے لئے باعث سکون اور قرار دیا ہے یہ دن ہم کو شکر خداوندی کا درس دیتا ہے کہ جب بھی زمین پر نگاہ کریں اس کا شکر ادا کریں کہ اس نے زمین کو ہمارے لئے گہوارہ قرار دیا ہے۔

روایت کے مطابق شب دحو الارض خدا کی رحمت نازل ہوتی ہے اس دن روزہ رکھنا مستحب ہے اور اس کا ثواب ستر ۷۰ سال کے روزوں کے برابر ہے اور ستر سال کے گناہوں کا کفارہ ہے، بعض روایات کے مطابق اس کا ثواب ایک سال کی عبادت کے برابر اور زمین و آسمان کے مابین کی ہر شی روزہ دار کے لئے استغفار کرتی ہے۔

۱۔ ذی الحجۃ:

---

[1] ۔ سورہ نازعات:۳۰

ماہ ذی الحجہ کی پہلی تاریخ وہ مبارک تاریخ ہے جس میں ابوالائمہ حضرت علیؑ اور ام الائمہ حضرت زہرا سلام اللہ علیہا رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئے جن سے جوانان جنت کے سردار حسنین علیہما السلام اور امام حسین کی نسل سے یکے بعد دیگر امام ہوئے جس کی آخری فرد امام مھدی عجل اللہ تعالی فرجہ الشریف ہیں جو پوری دنیا کے لئے منجی کی حثیت رکھتے ہیں۔

۷۔ ذی الحجۃ

اس ماہ کی ۷ تاریخ امام باقر علیہ السلام کی شہادت کی تاریخ ہے جن کو پیامبر گرامی ﷺ نے جابر ابن عبد اللہ انصاری کے توسط سلام کہلایا اور فرمایا تھا تم میرے پانچویں وصی سے ملاقات کروگے ان کو میرا سلام کہنا امام باقرؑ نے جہان اسلام اور تشیع کے لئے وہ کارنامہ انجام دیا اور علم کے وہ باب کھولے کہ آپ کا لقب ہی باقر العلوم پڑ گیا آپ نے فقہ، توحید، سنت نبوی، قرآن، اخلاق میں بے شمار احادیث بیان کی محمد بن مسلم نے ۳۰ ہزار حدیث اور جابر بن یزید جعفی نے ستر ۷۰ ہزار حدیث امام باقر علیہ السلام سے نقل کی ہیں آپ کے شاگردوں کی تعداد ۴۶۲ بتائی گئی ہے آپ کے دور میں شیعہ نظریات کی تدوین ہوئی آپؑ پہلی اسلامی یونیورسٹی قائم کرکے نہضت علم و دانش وجود میں لائے جو امام صادق علیہ السلام کے دور میں اپنے عروج پر پہنچی یہ تاریخ ہم کو یاد دلاتی کہ ہم کو اپنے مولا کے نقش قدم پر چلتے ہوے تحصیل و ترویج علم و دانش میں ہم سب کو علمبردار ہونا چاہیے تھا مگر افسوس بجائے اس کے کہ ہم دوسروں کی تعلیم کا انتظام کرتے آج ہمارے بچے اغیار کے اسکولوں میں پڑھ رہے ہیں سے جہاں وہ غیر اسلامی کلچر میں پروان چڑھتے ہیں۔

۹۔ ذی الحجۃ

نو ذی الحجۃ کا دن بہت بافضیلت دن ہے روایات میں اس دن کو گناہوں کی بخشش اور استجابت دعا کا دن بھی قرار دیا گیا ہے اس دن کے کچھ اعمال ہیں جن میں استغفار، زیارت امام حسینؑ اور دعای عرفہ کی زیادہ تاکید کی گئی ہے فقہ شیعہ کے مطابق حاجیوں کو چاہیے کہ اس دن ظہر سے غروب تک عرفات میں ٹھریں۔

۹ ذی الحجۃ جناب مسلم کی شہادت بھی ہے۔ جو ہم کو اپنے رہبر اور امام سے خلوص کے ساتھ وفاداری کا درس دیتی ہے جناب مسلم وہ ہیں جنھوں نے اصول اسلامی اور اخلاق دینی کا مکمل پاس و لحاظ رکھا اور کوئی ایسا کام نہ کیا جس سے نہضت حسینی پر کوئی داغ و دھبہ آتا.

آپ کو ابن زیاد کو قتل کرنے کا موقع فراہم ہوا مگر آپ نے گریز کیا کیوں کہ اسلام کسی کے یہاں آئے ہوئے مہمان اور دھوکہ سے قتل کرنے کو معیوب سمجھتا ہے لہذا آپؑ نے اپنے عمل سے یہ سمجھا دیا کہ سفیر حسینی کو پیرو معصوم ہونا چاہیے جب آپ کو اسیر کرکے ابن زیاد کے سامنے پیش کیا گیا تو کسی نے کہا مسلم تم نے امیر کو سلام تو آپؑ نے فرمایا "مالی الامیر سوی الحسین" حسینؑ کے سوا میرا کوئی امیر

نہیں ہے یعنی ہمارا امیر صرف خدا کی طرف سے منتخب ہوتا ہے اسی طرح عظیم مرد مجاھد ہانی بن عروہ نے صدق وصفا اور وفاداری کا ثبوت پیش کرتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔

۹ذی الحجہ ہم کو اس بات کی یاد دلاتی کہ ایک مرد مومن کو ہر حال میں اسلامی اقدار کا خیال رکھنا چاہیئے۔

۱۰۔ذی الحجۃ

اس ماہ کی دسویں تاریخ عید قربان ہے جو خلیل اللہ حضرت ابراہیمؑ کی قربانی کی یاد تازہ کرتی ہے اور ہم کو درس دیتی ہے کہ جس طرح انھوں اپنے نفس کو شکست دے کر اخلاص کے ساتھ اپنے عزیز ترین بیٹے کے گلے پر چھری چلادی اگرچہ خدا نے اس کو ذبح عظیم سے تبدیل کر دیا لیکن انھوں اپنی امت اور چاہنے والوں کو یہ درس دے دیا کہ خدا کے لئے اپنی اولاد تک کو قربان کرنے کے لئے آمادہ رہو اور اس میں کسی بھی قسم کی پروانہ کرو

۱۸۔ذالحجۃ

اس ماہ میں کی ایک مناسبت عید غدیر ہے جو تمام اعیاد سے بڑی عید ہے کیونکہ اس دن ہمارا دین مکمل ہوا، خدا کی نعمتیں تمام ہوئیں اور اس دن خدا ہمارے دین سے راضی ہوا یہ وہ دن ہے جس دن حضور ﷺ نے خدا کے اس حکم کے بعد: يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ[1]۔۔۔اے رسول پہنچا دیجئے جو اس سے قبل آپ کی طرف نازل ہو چکا ہے اگر آپ نے (اس پیغام کو) نہ پہنچایا تو گویا رسالت کا کوئی انجام نہیں دیا۔۔۔" حضرت علی علیہ السلام کو تمام صحابہ اور مسلمانوں کا مولا بنایا اور فرمایا "جس کا میں مولا ہوں اس کے یہ علی مولا ہیں" اس دن کی روزہ رکھنا ساٹھ سال کے گناہوں کا کفارہ و عمر بھر روزہ رکھنے کے مساوی اور سو عمرہ اور حج کے ثواب کے برابر ہے یہ مناسبت ہم کو یاد دلاتی ہے کہ ولایت امیر مومنان علیہ السلام اور ان کی معصوم نسل کی ولایت ہی تمام دین کی جان ہے بغیر اس کے انسان کا کوئی عمل قابل قبول نہیں جسطرح حضور ﷺ کی رسالت بغیر حضرت علی علیہ السلام کے اعلان ولایت کے مکمل نہیں اسی طرح بغیر ولایت امیر المومنینؑ کے کسی بھی مسلمان کا ایمان مکمل نہیں ہے

۲۳۔ذی الحجۃ

۲۳ ذی الحجۃ عاشق ولایت جناب میثم تمار کی شہادت کی تاریخ ہے جنھوں نے ہم کو ولایت کی چاشنی سے آشنا کیا اور بتایا کہ عشق مولا علیؑ کتنا اہم اور لذت بخش ہے کہ دار پر بھی اس کا نشہ سر چڑھ کر بولتا ہے اور وہاں بھی ایک لمحہ کے لئے معشوق سے عاشق کو جدا ہونے نہیں دیتا میثمؓ

---

[1] سورہ مائدہ ۶۷

وہاں بھی اپنے مولا کے فضائل بیان کرتے ہیں اور دنیا کو یہ بتاتے ہیں حقیقی محبت یہ ہوتی ہے کہ تم سر و تن میں جدائیگی ڈال سکتے ہو مگر حقیقی چاہنے والوں کو نیزہ و تلوار اور تیر و تبر کے خوف سے ان کو اہل بیتؑ سے جدا نہیں کر سکتے۔

۲۴۔ذی الحجۃ

اس ماہ کی ۲۴ تاریخ عید مباہلہ کی یاد دلاتی ہے جو ہم سے اہل بیت رسول کی صحیح شناخت کراتی ہے کیوں کہ خداوند متعال نے اپنے حبیب سے فرمایا انصاری نجران سے "کہہ دو تم اپنے بیٹوں کو لاؤ ہم اپنے بیٹوں کو تم اپنی عورتوں کو لاؤ ہم اپنی عورتوں کو تم اپنے نفسوں کو لاؤ ہم اپنے نفسوں کو پھر (مل کر) جھوٹوں پر لعنت کریں "فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنفُسَنَا وَأَنفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ[1]

خداوند عالم نے اس میں جمع کے صیغہ کا استعمال کیا ہے "ابنائنا" بیٹوں "نسائنا" عورتوں "انفسنا" نفسوں کو لے کر آئیں لیکن حضور کا بیٹوں کی جگہ صرف امام حسنؑ و حسینؑ کو عورتوں میں صرف اپنی بیٹی کو اور نفسوں میں صرف حضرت علیؑ کو لے کر گئے جبکہ آیت میں گنجائش ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب کو نہ لے جا کر اپنے خاص اہل بیت کا اعلان کر دیا کہ اس وقت صرف اور صرف یہ ہی میرے اہل بیت ہیں جو مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں جن کی خوشی میری خوشی جن کی تکلیف میری تکلیف اور جو میرے دین کے اصلی و حقیقی وارث ہیں یہی میرے دین کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ درحقیقت عید مباہلہ ہم کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقیقی اہل بیتؑ کی شناخت کراتی ہے اور یہ پیغام دیتی ہے کہ اگر دنیا و آخرت میں نجات چاہیے تو صرف انہیں سے وابستہ ہونا ضروری ہے کیوں کہ یہ ہی حقیقی صادق و امین ہیں جن کی معیت کی خدا نے "کونوا مع الصادقین" کے ذریعہ سفارش کی ہے

۲۶۔ذی الحجۃ

اس ماہ کی ۲۶ تاریخ واقعہ حرّہ کی یاد دلاتی ہے جو ۶۳ ہجری میں واقعہ ہوا جس میں لشکر یزید نے مسلم بن عقبہ کی سربراہی میں مدینے کے لوگوں پر ظلم کی قیامت ڈھائی زن و مرد کی تمیز کیے بغیر وہاں کے لوگوں کی جان، مال اور ناموس تین دن کیلئے حلال قرار دیدی اس واقعے میں ۸۰۔ اصحاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ۷۰۰ حافظان قرآن کا قتل ہوا ان تین دنوں میں ناموس پر دست درازی، خواتین کے حمل کو ضائع، نومولودوں کو قتل کیا گیا۔ نابینا جابر بن عبد اللہ انصاری اور ابو سعید خُدری جیسے بزرگ صحابہ کی توہین کرنے سے بھی گریز نہیں کیا گیا اس واقعہ میں قتل ہونے والوں کی تعداد ۴۰۰۰ سے ۷۰۰۰ کے درمیان بتائی گئی ہے

[1] سورہ آل عمران ۶۱

ان تمام جرائم کے بعد مسلم بن عقبہ نے لوگوں کو اکٹھا کیا اور ان سے اس بات پر یزید کیلئے بیعت لی کہ وہ یزید کے غلام ہیں۔ جو اس سے سر پیچی کرتا اسکی گردن ماردی جاتی اس حکم سے صرف علی بن عبد اللہ بن عباس اور امام سجاد علیہ السلام سے معاف رہے۔

اس واقعہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ اگر امت اسلامی حضور ﷺ کی وفات کے بعد بصیرت سے کام لیتے ہوئے ان کے حقیقی جانشین سے بے رخی نہ کرتی اور مستحق خلافت کو ان کا حق ملتا اور اس کے بعد رہبر ان حقیقی بر سر کار آتے تو پچاس سال کے بعد ان کی نسلوں کو یہ ظلم و ستم نہ دیکھنا نہ پڑتا کہ جس سے تاریخ بھی شرمندہ ہے لہذا ہم کو ہمیشہ حق کا ساتھ دینا چاہیئے اور وقت پر صحیح اور دقیق کام نجام دینا چاہئے تا کہ ہماری نسلیں مشکلات کا شکار نہ ہوں۔

۲۹۔ ذی الحجۃ

اس ماہ کی ۲۹ تاریخ جناب ابوذر غفاری کی تاریخ وفات ہے جن کا ایمان اس درجہ پر تھا کہ ایک لمحہ کے لئے ولایت امیر المومنین سے جدا نہ ہوئے اس کا ثبوت امام باقر علیہ السلام کی یہ حدیث ہے **اِرْتَدَّ اَلنَّاسُ بَعْدَ اَلنَّبِيِّ إِلاَّ ثَلاَثَةَ نَفَرٍ: اَلْمِقْدَادُ بْنُ اَلْأَسْوَدِ وَ أَبُو ذَرٍّ اَلْغِفَارِيُّ وَ سَلْمَانُ اَلْفَارِسِيُّ، ثُمَّ إِنَّ اَلنَّاسَ عَرَفُوا وَ لَحِقُوا بَعْدُ.**

پیغمبر اکرم ﷺ کے بعد لوگ (ولایت امیر المومنینؑ سے) پھر گئے سوائے تین افراد کے مقدادؓ، ابوذرؓ اور سلمان فارسیؓ اس کے بعد لوگوں نے آپؑ کی معرفت حاصل کی اور ان سے ملحق ہوئے۔

ابوذرؓ ہمشہ حق گوئی کرتے رہے ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنے کو سب سے بڑا جہاد سمجھتے تھے اور کبھی اس سے باز نہ آئے یہاں تک حاکم وقت نے ربذہ کی طرف شہر بدر کر دیا جہاں آپ نے عالم غربت میں دار فانی سے دار آخرت کی طرف کوچ کی آپ اپنی زندگی سے ہمیں یہ درس دئے گئے کہ ولایت اور حق گوئی کا ساتھ نہ چھوڑنا چاہے اس کے لئے کتنے ہی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے۔

فاطمہؑ معصومۂ قم مدافع ولایت امام علی رضا علیہ السلام

حیدر علی غازی

معصومہ قم امام موسی کاظم علیہ السلام کی بیٹی تھیں آپ کی والدہ ماجدہ تکتم نجمہ خاتون تھیں آپ اپنے ۳۷ بھائی بہنوں میں سوائے امام رضاؑ کے سب سے زیادہ متقی پرہیز گار عابدہ وزاہدہ تھیں آپ عالمہ غیر معلمہ، عقیلہ، معصومہ، اخت الرضا، کریمہ اہل بیت، ولیۃ اللہ، مرضیّہ ،تقیّہ، رشیدہ، سیدہ، حمیدہ، برّۃ، محدّثۃ، اور شفیعہ روز جزا جیسے القاب سے یاد کی جاتی تھیں ۔[1]

آپ کے فضل و کمال کے لئے امام محمد تقی علیہ السلام کی یہ روایت کافی ووافی ہے جس میں آپ نے فرمایا من زار قبر عمتی بقم فلہ الجنۃ جس نے میری پھوپھی کی قبر کی قم میں زیارت کی اس پر جنت واجب ہے[2]

آپ یقیناً غیر معصومہ تھی مگر عظمت و رفعت اور بلندی کے اس معیار پر فائز تھی کہ جہاں پر بڑے سے بڑے عالم وفاضل افراد کا پہنچنا آسان نہ تھا آپ کے زیارت نامہ میں یہ جملہ آپ کی شان وبزرگی اور عظمت کے لیے کچھ کم نہیں یا فاطمۃ اشفعی لی فی الجنۃ اے فاطمہ قم آپ میری جنت کی شفاعت فرمادیں!

معصومہ قم کی ولادت باسعادت یکم ذی قعدہ الحرام ۱۷۳ ہجری کو مدینہ منورہ میں ہوئی[3]

آپؑ اور امام علی رضا علیہ السلام دونوں ایک ہی ماں باپ سے تھے دونوں میں بے حد پیار و محبت تھا امام آپ سے بڑی محبت فرماتے تھے اور معصومہ قم بھی اپنے ماں جائے سے بہت محبت کرتی تھی امام علیہ السلام آپ سے محبت صرف رشتے کی بنیاد پر نہیں بلکہ آپ کی خدا کے نزدیک عظمت کی وجہ فرماتے تھے چنانچہ شیخ صدوق علیہ الرحمہ صحیح سند کے ساتھ امام رضاؑ سے روایت فرماتے ہیں جو ان کی زیارت کرے گا اس کو جنت نصیب ہوگی امام محمد تقی علیہ السلام فرماتے ہیں من زار قبر عمتی بقم فلہ الجنۃ جس نے قم میں (معرفت کے ساتھ) میری پھوپھی کی قبر کی زیارت کی اس پر جنت واجب ہے امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں فاطمہ معصومہ قم کی زیارت جنت کی زیارت کے برابر ہے یعنی اس کو جنت ملے گی۔

امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں: اے سعد جو بھی ان کی زیارت کرے گا اس کو جنت نصیب ہوگی یا وہ اہل بہشت سے ہوگا ۔ پھر فرمایا: من زار المعصومۃ بقم کمن زارنی جس نے قم میں معصومہ کی زیارت کی گویا اس نے میری زیارت کی آپ مدینے میں پیدا ہوئی وہیں پلی بڑہی اور عبادت و ریاضت میں اعلی مقام حاصل کیا۔

---

[1] ۔صواعق محرقہ ۱۲۲ بحوالہ چودہ ستارے ۴۱۶

[2] ۔کامل الزیارات ۵۳۶

[3] ۔یکم ذی قاعدہ ۱۷۳ ، چودے ستارے ۴۱۶

امام علی رضا علیہ السلام نے آپؑ کو معصومہ کا لقب عنایت فرمایا جس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ معصومہ نہ ہو کر بھی معصومہ جیسا کردار و عمل رکھتی تھیں جس پر امام کی نص موجود ہے آپ مدینے میں اپنے خاندان، بھائی اور بھتیجوں کے ساتھ زندگی گزار رہی تھیں اور یہ دور عباسی حکومت کے ہارون رشید نامی بادشاہ کا زمانہ تھا بنی عباس بھی بنی ہاشم سے ویسے ہی دشمنی رکھتے تھے جیسے بنی امیہ بس فرق اتنا تھا کہ بنی امیہ کھلم کھلا دشمن تھے اور یہ پردہ میں رہ کر آل رسول کو ختم کرنے کی سعی لاحاصل کرتے تھے یزید ملعون کے بعد تمام جزیرہ نما عرب میں آل رسول سے ہمدردی کی آوازیں بلند ہونے لگی تو بنی عباس نے موقع کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے انتقام حسینی کا نعرہ لگایا تاکہ اپنی بساط حکومت مضبوط و مستحکم ہو سکے بنی عباس کی حکومتیں بھی ظلم و ستم جبر و اکراہ زور و زبردستی پر استوار تھیں وہ سلاطین بھی ظلم کے پروردگار تھے اور یہ بادشاہان وقت بھی اہل بیتؑ کی تنقید و تہدید کی ضد پر تھے کیونکہ اہل بیتؑ کو خدا نے بندوں کی ہدایت کے لیے خلق کیا تھا چنانچہ یہ بھی امامان وقت کے وہ جانی دشمن تھے، جو موقع پاتے ہی انہیں خاموشی سے ظلم و ستم کی چکی میں پیسنا اپنا اولین فریضہ سمجھتے تھے۔

بنی عباس نے پردے میں رہ کر آل رسول کو خوب ستایا اور انہیں موت کے گھاٹ اتار کر خوب جھوٹے آنسو بہائے۔

تاریخ کا مطالعہ کرنے سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ ہارون رشید نے بھی مدینے میں آل رسول پر جاسوسی کا شکنجہ کس رکھا تھا ہارون کے مر جانے کے بعد مامون رشید نے اپنے بھائی امین کو ٹھکانے لگایا اور پوری عرب و عجم کی حکومت پر قابض ہو گیا خراسان عجم کا علاقہ آل رسول سے بڑی ہمدردی رکھتا تھا چنانچہ اس نے بظاہر احترام و عزت کا ڈھونگ رچا کر امام رضا علیہ السلام پر سخت نگرانی شروع کر دی اور عوام کی ولی عہدی کا دھوکا دے کر امام کو راستہ سے ہٹانے کے لئے خراسان بلایا اس چال کو ناکام بنانے کے لیے بی بی معصومہؑ کا سفر مدینے سے شروع ہوتا جو بظاہر امام سے ملاقات کی غرض تھی۔

لیکن حقیقت میں مامون رشید کی چہرے پر پڑی ہوئی نقاب منافقت کو پارہ پارہ کرنا تھا چنانچہ ایک قافلہ ہمراہ لیا اور سفر کو آغاز ہو گیا آپ جہاں کہیں بھی منزل فرماتی تھی وہاں پر لوگ آپ کا استقبال فرماتے تھے اور اپ ان کی خواتین سے مامون کی مکروہ چہرے کو سامنے لاتی ہیں امام رضا کی ولایت کا دفاع آپ نے زینب علیا مقام کی طرح کیا جیسے جناب زینبؑ نے امام حسینؑ کی حقانیت کو لوگوں پر واضح کیا ویسا ہی جناب معصوم قم نے بھی باطل چہرہ پر پڑی ہوئی منافقت کی نقاب کو نوچ کر پھینک دیا جب آپ کی تبلیغ و مدافعت ولایت امام رضا کی خبر مامون تک پہنچی تو اس نے آپ کے قافلے پر شہر "ساوہ" میں حملہ کر دیا جس میں کافی لوگ شہید ہو گئے اور معصومہ کے بھائی فضل، جعفر، ہادی، قاسم اور زید بھی اس حملے میں شہید ہو گئے۔

اناللہ وانا الیہ راجعون اکتفا اسی پر نہیں کی گئی بلکہ معصومہؑ کو زہر بھی دلوایا گیا جس وجہ سے آپ بیمار ہو گئی اور سترہ دن بعد قم میں رحلت فرما گئی مگر اخر وقت تک امام برحق کا دفاع فرماتی رہیں[1] آپ کو قم کے مومنین نے بڑی شان و شوکت سے قبرستان بابلان میں دفن کر دیا جو آج بھی مومنین کے لیے زیارت گاہ بنا ہوا ہے۔

[1] محقق مرتضی عاملی

قصیدہ در مدح امام رضا(ع)

علی عباس امید

ملے رہبری جو کتاب خدا کی
کہوں منقبت میں امام رضا کی
زباں پر میری کسکا نام آگیا ہے
کی تاثیر بڑھنے لگی ہے دعا کی

جو یہ چاہتے ہیں وہ رب چاہتا ہے
جو ہے انکی مرضی وہ مرضی خدا کی
وہی جاہ و حشمت وہی بے نیازی
جھلک تجھ میں دیکھی گئیں مرتضا کی

تیرے جد نے کل حر کو بخشا تھا آقا
کرم ہو کہ تصویر ہوں میں خطا کی
ابھی بھی تیرے در سے بنٹتا ہے لنگر
ابھی نہر جاری ہے تیری عطا کی

کہاں تیری مدحت کہ میں بے بصیرت
تو پیکر ہے نوری میں پتلا ہوں خاکی
میں جب تیری ضامن میں دیتا ہوں خود کو
بدل جاتی ہے شکل و صورت بلا کی

مجھے شاہ کہہ کر پکارے گی دنیا
جو دے مجھکو اجرت تو اپنی ثنا کی
یہ وہ ہیں کہ مداح جن کا خدا ہے
جو کی تونے مدحت تو امید کیا کی

دختر خورشید

نتیجۂ فکر حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ شیخ حسین وحید خراسانی دام ظلہ العالی

ترجمہ جناب مولانا اخلاق حسین صاحب اخلاق پکھناروی

زائیدہ خرد ہیں تو خواہر ہیں دین کی
اور گوہر شرف تو جلالت جبین کی

عصمت اسیر گیسوے عصمت تری رہی
علم و عمل رہین ترے کوچہ و گلی

اے شاخسار عظمت توحید کا ثمر
خورشید ہے اساس تو ہمشیرہ قمر

انسانیت کے تاج کی زینت ہے آپ سے
روشن نگین ختم نبوت ہے آپ سے

شیطان راندہ ہو گیا قم کے خطاب سے
پھر قم کو بخشی رونق و عزت جناب سے

حوا کا یہ مقام تو جنت کا ہے محل
ناموس ایزدی کی نہ ہو کیوں چہل پہل

آ کے حرم میں عقل و خرد مات ہوتے ہیں
اس خاک سے حیات کے چشمے ابلتے ہیں

اک جسم نازنیں کی زمیں راز دار ہے
ہے ایسی جان جس سے جہاں میں بہار ہے

خورشید اور ماہ منور کو روشنی
ہے نور قم اور عکس خراسان سے ملی

روحوں کی تازگی کا ہے ایران اب سبب
مشکٰوۃ کی صفت میں ہیں یہ دو چراغ رب

کیا پوچھتے ہو دل بھلا ان دو حرم کی بات
جن کی شعاع نور سے روشن ہے شش جہات

ہر کو تمہارے در سے کرم کی امید ہے
محتاج تر سبھی سے گدا بس وحید ہے

امامت دین کا اہم ترین مسئلہ

ابو حسین

مسئلہ امامت اور ولایت کی اہمیت اہل ولاء کے لئے بہت واضح و آشکار ہے لیکن جو افراد اس کی معرفت نہیں رکھتے اور ان کے یہاں اس کی اتنی اہمیت نہیں ہے حالانکہ ان کے اسلاف نے رسول خدا کی رحلت کے فوراً بعد جس امر کے لئے اپنے پیارے رسول ﷺ کے جنازہ کو چھوڑ کر سقیفہ بنی ساعدہ میں اجتماع کیا وہ مسئلہ خلافت اور امامت ہی تھا جس سے انھوں عملی طور پر قائلین امامت سے بھی زیادہ مسئلہ امامت و خلافت کے اہم ہونے کا ثبوت پیش کر دیا کیونکہ پیروان امامت و ولایت حضور کے جنازہ کو چھوڑ کر نہیں گئے.

ایسا کرنے والوں کے عمل سے کم از کم یہ تو ثابت ہو گیا کہ امامت و خلافت دین کا اہم ترین مسئلہ ہے۔

لیکن اس کے باوجود سوال قائلین امامت سے کرتے ہیں کہ آپ امامت پر سب سے زیادہ زور کیوں دیتے ہیں اس کا مطلب ہے کہ امامت توحید اور نبوت سے بھی زیادہ اہمیت کا حامل ہے؟

اس کا واضح جواب یہ ہے کہ امامت کے اہم ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ یہ مسئلہ توحید خداوندی اور حضور ﷺ کی رسالت سے بھی اہم ہو بلکہ اس کے اہم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ توحید اور رسالت صحیح طور پر امامت ہی کے ذریعہ سمجھ میں آتی ہیں اور پیروان امامت ہی اپنے آئمہ کی ہدایت سے مسائل توحید اور نبوت کو صحیح طور پر سمجھتے ہیں اگر یقین نہ آئے تو طرفین کی کتابوں کا مطالعہ کر کے موازنہ کر لیجئے۔

جنھوں نے امامت کی اہمیت کا انکار کیا ان کی قرآن کے بعد صحیح ترین کتب میں خدا کی تجسیم اور حضور ﷺ کی تنقیص واضح طور پر دکھائی دیتی ہے۔

مثلاً: آپ ﷺ کا کھڑے ہو کر پیشاب کرنا، نماز میں بھول جانا، اپنی بیوی کو حبشیوں کا کھیل دکھانا، وحی میں شیطان کی مداخلت کرنا اور بچپن میں آپ کے سینہ کو چاک کر کے سیاہ نطفہ کا دل سے نکالا جانا، آغاز وحی میں ڈرنا اور اپنے بارے میں مشکوک ہونا وغیرہ وغیرہ یہ ہی وہ امور تھے جن کی وجہ سے سلمان رشدی جیسے مرتد نے شیطانی آیات جیسی کتاب لکھی۔

لیکن جنھوں نے مسئلہ امامت کو منصوص من اللہ جانا ہے ان کی کتابیں اس قسم کی توھین سے منزہ نظر آئیں گی خداوند متعال کے اوصاف ان کے یہاں نہایت تنزیہہ و تقدیس کے ساتھ بیان ہوئے ہیں اہل تحقیق کے لئے تقدیس خداوندی کو سمجھنے کے لئے نہج البلاغۃ کا پہلا خطبہ کافی ہے اسی طرح حضور ﷺ کے بارے میں ان کے یہاں وہ باتیں نظر ائیں گی کہ جن میں کمال اور فضیلت کے سوا کچھ نظر نہ آئے گا

اس لئے مسئلہ امامت تمام امور دین میں سب سے زیادہ اہم ہے اس لئے کہ کل دین، اصل دین امامت ہی کے ذریعہ پہنچتا ہے اسی لئے فریقین کی متفقہ روایت کے مطابق اپنے وقت کے امام کو پہچانے بغیر دنیا سے چلے جانا کفر و شرک کی موت ہے، اس سے واضح امامت کی اہمیت کی کیا دلیل ہو سکتی ہے

امامت امام علی رضاعلیہ السلام کی نظر میں

فیروز علی بنارسی

اسلام میں امامت کی منزلت نہایت بلند وبالا اور قرآن کریم کے ہم پلہ ہے کہ امامت کے بغیر قرآن کریم مکمل طور پر اجراء اور نفاذ کے مرحلہ میں نہیں آپائے گا۔

امامت ایک قانون الٰہی ہے جس کا منشا و منبع عالم بشریت کی ہدایت و قیادت ہے اور اس کے بغیر معاشرہ اور عالم انسانیت کی سعادت میسر ہونے والی نہیں ہے۔

جہاں امامت کے اثبات کے لئے آیات واحادیث کی ایک بڑی تعداد موجود ہے وہیں اس عقلی دلیلیں بھی موجود ہیں۔

امامت و قیادت کے بارے میں بحث ایک ایسا موضوع ہے جو ادیان الٰہی میں موجود رہا ہے اور انبیائے کرام انسانوں کے امام اور پیشوا کے عنوان سے جانے اور پہچانے جاتے تھے۔

مسئلۂ امامت ان اہم مسائل میں ایک ہے کہ جو اسلام کے ابتدائی دنوں سے ہی توجہ کا مرکز رہے ہیں۔ نبی کریم ﷺ ہمیشہ اس پر تاکید فرماتے رہے اور متعدد مواقع و مقامات پر اسے بیان کرتے رہے۔

مسئلہ امامت علمائے اسلام کے درمیان بھی بہت اہمیت کا حامل رہا ہے اور اس کے سلسلہ میں گفتگو ہوتی رہی ہے یہاں تک کہ بسا اوقات عالم اسلام کے عام افراد بھی مسئلہ امامت پر لب کشائی کرتے رہے ہیں۔ انھیں موارد میں سے ایک وہ واقعہ بھی ہے جو مرو (خراسان) کی جامع مسجد میں پیش آیا۔

امام علی رضاعلیہ السلام خراسان سفر کے دوران جب روز جمعہ مرو کی جامع مسجد میں داخل ہوئے تو آپ متوجہ ہوئے کہ کچھ لوگ وہاں بیٹھے امامت کے سلسلہ میں گفتگو اور تبادلۂ خیال کر رہے ہیں۔ عبد العزیز بن مسلم جو اس وقت امام علیہ السلام کے ساتھ تھے وہ ان لوگوں کی باتوں کو سنتے ہیں اور امام رضاعلیہ السلام کی خدمت میں آکر ان کی باتوں کو بیان کرتے ہیں۔

اس موقع پر امام علی رضا علیہ السلام امامت اور امام کے مقام و مرتبہ کو قرآنی آیات و احادیث نبوی کی روشنی میں بیان فرماتے ہیں۔ یہ حدیث شریف خود عالم آل محمد علیہم السلام کی زبان مبارک سے امامت اور امام کے حقیقی مقام و مرتبہ کو سمجھنے کے بہترین منبع اور معرفت امام و امامت سے سیراب ہونے کا بہترین اور صاف وشفاف چشمہ ہے۔

یہاں پر امام اور امامت کے سلسلہ میں امام علی رضا علیہ السلام کے نورانی کلمات و ارشادات کو نذر قارئین کی جارہا ہے۔ امید ہے کہ یہ ارشادات رضوی امامت اور امام کے تئیں ہماری معرفت میں اضافہ کا باعث ہوں گی۔

انھیں کیا معلوم کہ امامت کیا ہے؟!

جیسا کہ بیان کیا گیا کہ اس واقعہ کے راوی عبد العزیز بن مسلم جو اس وقت امام علی رضا علیہ السلام کے ہمراہ تھے، ان کا بیان ہے کہ مقام مرو میں ہم امام علی رضا علیہ السلام کے ساتھ تھے۔ ہم شہر میں داخل ہوتے ہی بروز جمعہ جامع مسجد میں جمع ہوئے۔ مسجد میں موجود لوگوں نے

امامت کی بحث چھیڑ رکھی تھی اور اس سلسلہ میں لوگوں کے اختلافات کا ذکر کر رہے تھے۔ میں امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور امامت کے بارے میں لوگوں کے نظریات وخیالات کو بیان کیا۔
امام میری باتیں سن کر مسکرائے اور فرمایا: اے عبد العزیز! یہ لوگ جہالت کا شکار ہیں اور انھوں نے اپنے نظریات میں دھوکا کھایا ہے۔

امامت باعث تکمیل دین

بے شک پروردگار نے اپنے نبیؐ کی روح کو اس وقت تک قبض نہیں کیا جب تک کہ اپنے دین کو کامل نہ کر دیا۔ اس نے اپنے رسولؐ پر قرآن نازل کیا جس میں ہر شیٔ کا بیان موجود ہے اور اس میں حلال وحرام اور احکام وحدود اور وہ تمام چیزیں بیان کی ہیں جن کے لوگ محتاج ہیں۔ پروردگار عالم نے ارشاد فرمایا "مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِن شَيْءٍ" [1] ہم نے کتاب میں کسی شے کے بیان میں کوئی کمی نہیں کی ہے۔
آن حضرتؐ کی عمر کے آخری ایام میں یہ آیت نازل فرمایا: "الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا" [2] آج میں نے تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا ہے اور اپنی نعمتوں کو تمام کر دیا ہے اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسندیدہ بنا دیا ہے
(یاد رکھو!) امامت تمام دین ہے اور آنحضرتؐ نے رحلت نہیں فرمائی یہاں تک کہ اپنی امت کے لئے احکام دین کو آشکار اور ان کے راستہ کو واضح کر دیا اور انھیں راہ حق پر لگا کر چھوڑ دیا۔ اور (حضرت) علی علیہ السلام کو ان کے لئے نشان ہدایت اور امام قرار دیا۔ آپؐ نے کسی بھی ایسے امر کو نہیں چھوڑا امت جس کی محتاج ہو مگر یہ کہ اسے بیان کر دیا۔ لہٰذا اب جس نے یہ گمان کیا کہ خدا نے اپنے دین کو کامل نہیں کیا ہے اس نے کتاب خدا کو ٹھکرایا ہے اور جس نے ایسا کیا اس نے اس کا انکار کیا ہے!
کیا لوگ امامت کی قدر ومنزلت اور اس کے مقام وموقعیت کو پہچانتے ہیں جو انھیں اس سلسلہ میں اختیار دیا گیا ہو؟!

قدر ومنزلت امامت

امامت قدر ومنزلت کے لحاظ سے بہت بلند وبالا، شان وشوکت کے اعتبار سے بہت عظیم اور محل ومقام کی رو سے بہت بلند وارفع ہے۔ وہ اپنی طرف غیر کے آنے سے مانع ہے اور اس کا مفہوم ومعنیٰ بہت عمیق وگہرا ہے۔ اس تک لوگوں کی عقلوں کی رسائی نہیں اور ان کے نظریات وخیالات اسے پا نہیں سکتے اور وہ اپنے اختیار ومرضی سے امام کو منتخب نہیں کر سکتے۔ خداوند عالم نے جناب ابراہیمؑ کو نبوت وخلت کے بعد تیسرے مرحلہ میں امامت کا شرف بخشا اور اس طرح فرمایا: "إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا" ہم تم کو لوگوں کا امام اور قائد بنا رہے ہیں.

---

[1] سورۂ انعام، ۳۸
[2] سورۂ مائدہ، ۳

جناب ابراہیم نے اس شرف کے ملنے پر خوش ہو کر عرض کیا: " وَمِنْ ذُرِّيَّتِي! (میری ذریت؟) خداوند تبارک و تعالی نے فرمایا:
"لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ"، یہ عہدۂ امامت ظالمین تک نہیں جائے گا[1]
اس آیت نے قیامت تک کے لئے ہر ظالم و ستمگر کی امامت کو باطل کر دیا ہے اور اسے اپنے برگزیدہ اور منتخب بندوں میں قرار دیا ہے
اور پھر خداوند عالم نے جناب ابراہیمؑ کو اس طرح شرف بخشا کہ ان کی ذریت منتخب، طیب و طاہر افراد قرار دیئے اور فرمایا: وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ نَافِلَةً وَكُلًّا جَعَلْنَا صَالِحِينَ ۔ وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَإِقَامَةِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءَ الزَّكَاةِ وَكَانُوا لَنَا عَابِدِينَ ۔[2] اور پھر ابراہیم کو اسحاق اور ان کے بعد یعقوب عطا کئے اور سب کو صالح اور نیک کردار قرار دیا۔ اور ہم نے ان سب کو پیشوا قرار دیا جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے اور ان کی طرف کار خیر کرنے نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کی وحی کی اور یہ سب کے سب ہمارے عبادت گزار بندے تھے۔

امامت ایک عہد الٰہی

اس طرح عہدۂ امامت صدیوں تک ان نسل میں بطور میراث ایک دوسرے کی طرف منتقل ہو تا رہا یہاں خداوند تعالیٰ نے اپنے نبی کو اس کا وارث بنایا اور ارشاد فرمایا " إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهَذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ "[3] یقیناً ابراہیم سے قریب تر ان کے پیرو ہیں اور پھر یہ پیغمبر اور صاحبانِ ایمان ہیں اور اللہ صاحبانِ ایمان کا سرپرست ہے
اور اس طرح یہ امامت آنحضرتؐ کے لئے خاص ہو گئی اور آپ نے اسے حکم خدا سے حضرت علی علیہ السلام کے سپرد فرمایا اس رسم کی بنا پر جسے اللہ نے فرض کیا تھا۔ پس یہ امامت ان کی چنی ہوئی ذریت میں قرار پائی جنھیں خداوند عالم نے علم و ایمان عطا فرمایا۔ ارشاد ہوا:
"وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَالْإِيمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِي كِتَابِ اللَّهِ إِلَى يَوْمِ الْبَعْثِ"[4] اور جن لوگوں کو علم اور ایمان دیا گیا ہے وہ کہیں گے کہ تم لوگ کتاب خدا کے مطابق قیامت کے دن تک ٹھہرے رہے۔
اس کا مطلب یہ کہ امامت تا روز قیامت ذریت علی علیہ السلام میں رہے گی اس لئے کہ نبی اکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ تو پھر ان جاہلوں اور نادانوں کو امام بنانے کا حق کہاں سے مل گیا؟!

شان امامت

بے شک امامت منزلت انبیاء اور میراث اوصیاء ہے۔ امامت خلافت خدا، جانشینی رسولؐ، مقام و منزلت امیر المومنینؑ اور میراث حسن و حسین علیہما السلام ہے۔ امامت زمام دین اور نظام مسلمین ہے۔ صلاح دنیا اور عزت مومنین ہے۔ بے شک امامت رشد و نمو کرنے

---

[1] سورۂ بقرہ، ۱۲۴
[2] سورۂ انبیاء، ۷۲
[3] آل عمران، ۶۸
[4] سورۂ روم، ۵۶

والی اسلام کی جڑ اور اس کی بلند و بالا شاخ ہے۔ نماز، زکات، روزہ، حج اور جہاد کا کامل ہونا، مال غنیمت اور صدقات کا زیادہ ہونا، احکام و حدود کا نافذ ہونا اور سرحدوں اور اطراف کی حفاظت و نگہبانی امام ہی کے ذریعہ ہے۔

امام ہی ہے جو حلال خدا کو حلال اور حرام خدا کو حرام کرتا ہے اور حدود الٰہی کو برپا کرتا ہے اور دین خدا کا دفاع کرتا ہے اور حکمت و موعظہ اور روشن دلیل و حجت کے ذریعہ لوگوں کو راہ خدا کی طرف بلاتا ہے۔ امام، چڑھتے ہوئے سورج کے مانند ہے جو اپنی روشنی سے کائنات کو جگمگاتا ہے اور وہ ایسے بلند مقام پر ہے کہ لوگوں کے ہاتھ اور ان کی نگاہیں اس تک نہیں پہونچ سکتیں۔

امام ایک دمکتا چاند، ضوء بار چراغ اور چمکتا نور اور سخت تاریکیوں، شہروں اور جنگلوں کے راستوں اور سمندروں کی گہرائیوں میں راستہ دکھانے والا ستارہ ہے۔

امام تشنگی میں آب شیرین، ہدایت کی طرف رہنما اور ہلاکت سے نجات دلانے والا ہے۔ امام (لوگوں کو صحیح راستہ دکھانے کے لئے) اونچائی پر رکھی روشن آگ کے مانند ہے۔ ٹھنڈ کھا جانے والوں کے لئے گرمی کا باعث اور ہلاکت کی جگہوں پر رہنمائی کرنے والا ہے۔ جو بھی اس سے جدا ہوا وہ ہلاک ہونے والا ہے۔

امام برسنے والا بادل، موسلادھار بارش، درخشاں آفتاب، سایہ فگن آسمان، کشادہ زمین، ابلتا ہوا چشمہ اور غدیر (تالاب) و باغ ہے۔

امام ہمدم دوست، شفیق باپ، سگا (برابر کا) بھائی، اپنے چھوٹے بچہ پر مہربان ماں کے مانند ہے اور سخت مصائب و شدائد میں بندگان خدا کی پناہ گاہ ہے۔

امام مخلوق خدا کے درمیان اس کا امین، بندوں میں اس کی حجت، شہروں میں اس کا خلیفہ، اس کی طرف دعوت دینے والا اور حرم الٰہی سے (دشمنوں کو) روکنے والا ہے۔

امام گناہوں سے پاک و پاکیزہ اور جملہ عیوب و نقائص سے بری ہوتا ہے۔ وہ علم و دانش سے مخصوص اور حلم و بردباری سے موسوم (شناختہ شدہ) ہوتا ہے۔ وہ نظام دین، عزت مسلمین، خشم و غیظ منافقین اور ہلاکت کافرین کا باعث ہوتا ہے۔

امام اپنے زمانہ میں یگانہ روزگار ہوتا ہے کوئی اس کا ہم پلہ نہیں ہو سکتا اور کوئی بھی عالم اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس کا بدل پایا جا سکتا ہے اور نہ ہی مثل و نظیر۔

وہ بغیر کسی طلب اور اکتساب کے ہر فضل و کمال کا حامل ہوتا ہے بلکہ یہ اختصاص، فضل و بخشش کرنے والے خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔

جب پہچان نہیں سکتے تو کیسے بنا سکتے ہیں؟!

پس کون ہے جو امام کی مکمل معرفت حاصل کر سکے یا امام بنانا اس کے اختیار میں ہو؟!! بہت بعید ہے! بہت بعید ہے! (یہاں پر آکر) لوگوں کی عقلیں گمراہ، فہم و ادراک پریشان، عقول حیران و ششدر، آنکھیں بے نور، بڑے چھوٹے حکماء حیران، صاحبان عقل و خرد کوتاہ فکر، خطباء عاجز، صاحب عقل جاہل، شعراء گونگے، ادباء ناتوان اور صاحبان بلاغت اس کی کسی ایک منزلت یا فضیلت کو بیان کرنے سے عاجز ہو گئے ہیں اور ان سب نے اپنی عاجزی اور کوتاہی کا اقرار و اعتراف کر لیا ہے۔ تو کیونکر ممکن ہے کہ اس کے سارے صفات یا اس کی

حقیقت کو بیان کیا جا سکے یا اس کے امر امامت میں سے کسی شے کو کما حقہ سمجھا جا سکے، یا کسی ایسے شخص کو پایا جا سکے جو اس کی جگہ پر بیٹھ سکے اور اس سے بے نیاز کر دے، ایسا ممکن نہیں ہے۔ کس طرح اور کہاں سے ؟! جبکہ اس (امام) نے دسترسی پانے والوں اور وصف بیان کرنے والوں کے ہاتھوں سے بلندی حاصل کر لی ہے اور آسمان میں ستارہ کے مقام میں ہے۔ وہ کہاں اور لوگوں کا انتخاب کہاں ؟! وہ کہاں اور عقول بشر کہاں ؟! وہ کہاں اور اس کے مثل و مانند کہاں ؟!

امامت خاندان رسول ﷺ میں

کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ امامت خاندان رسول خداؐ کے علاوہ کسی دوسرے خاندان میں پائی جاتی ہے ؟! خدا کی قسم ان کے ضمیر نے خود انھیں جھٹلایا ہے اور انھوں نے بے فائدہ اور بیہودہ آرزو کی ہے۔ وہ ایک ایسی بلندی پر چڑھے ہیں جو نیچے کی جانب پھسلتی ہے اور انھوں نے اپنی گمشدہ اور ناقص عقلوں اور گمراہ کن نظریات کے ذریعہ امام بنانے کا ارادہ کیا ہے اور انھیں حق سے دوری کے سوا کچھ نصیب نہ ہوا،

"قَاتَلَهُمُ اللهُ أَنَّى يُؤْفَكُونَ" (اللہ ان سب کو قتل کرے یہ کہاں بہکے چلے جا رہے ہیں) انھوں نے ایک سخت اور دشوار کام کا ارادہ کیا، افترا پردازی کی اور سخت گمراہی میں پڑ گئے اور حیرت و سرگردانی میں پھنس گئے اس لئے کہ انھوں نے اپنی بینا آنکھوں کے باوجود امام کو ترک کر دیا۔

"وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ وَكَانُوا مُسْتَبْصِرِينَ"[1]

اور شیطان نے ان کے لئے ان کے اعمال کو آراستہ کر دیا تھا اور انہیں راستہ سے روک دیا تھا حالانکہ وہ لوگ بہت ہوشیار تھے

حکم خدا سے روگردانی

انھوں نے خدا و رسولؐ خدا اور آپؐ کے اہل بیتؑ کے انتخاب سے روگردانی کر لی جبکہ قرآن انھیں پکار تا رہا:

"وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ سُبْحَانَ اللهِ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ"[2]

(اور آپ کا پروردگار جسے چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور پسند کرتا ہے۔ ان لوگوں کو کسی کا انتخاب کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ خدا ان کے شرک سے پاک اور بلند و برتر ہے) خداوند عزوجل نے فرمایا: "وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ"[3] اور کسی مومن مرد یا عورت کو اختیار نہیں ہے کہ جب خدا و رسول کسی امر کے بارے میں فیصلہ کر دیں تو وہ بھی اپنے امر کے بارے میں صاحب اختیار بن جائے

نیز ارشاد فرمایا: مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ۔ أَمْ لَكُمْ كِتَابٌ فِيهِ تَدْرُسُونَ ۔ إِنَّ لَكُمْ فِيهِ لَمَا تَخَيَّرُونَ ۔ أَمْ لَكُمْ أَيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ إِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُونَ ۔ سَلْهُمْ أَيُّهُمْ بِذَلِكَ زَعِيمٌ ۔ أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ

---

[1] سورۂ عنکبوت،۲۹

[2] ۔ سورۂ قصص،۶۸

[3] سورۂ احزاب،۳۶

فَلْيَأْتُوا بِشُرَكَائِهِمْ إِنْ كَانُوا صَادِقِينَ[1]. تمھیں کیا ہوگیا ہے کیسا فیصلہ کر رہے ہو۔ یا تمھاری کوئی کتاب ہے جس میں یہ سب پڑھا کرتے ہو۔ کہ وہاں تمھاری پسند کی ساری چیزیں حاضر ملیں گی۔ یا تم نے ہم سے روزِ قیامت تک کی قسمیں لے رکھی ہیں کہ تمھیں وہ سب کچھ ملے گا جس کا تم فیصلہ کرو گے۔ ان سے پوچھئے کہ ان سب باتوں کا ذمہ دار کون ہے۔ یا ان کے لئے شرکاء ہیں تو اگر یہ سچے ہیں تو اپنے شرکاء کو لے آئیں۔

ارشاد فرمایا: أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا[2]. تو کیا یہ لوگ قرآن میں ذرا بھی غور نہیں کرتے ہیں یا ان کے دلوں پر قفل پڑے ہوئے ہیں) یا خدا نے ان کے دلوں پر مہر لگا دیا ہے اب یہ کچھ سمجھنے والے نہیں ہیں؟!

"قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ۔ إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ۔ وَلَوْ عَلِمَ اللهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَأَسْمَعَهُمْ وَلَوْ أَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَهُمْ مُعْرِضُونَ ۔"[3] یہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا حالانکہ وہ کچھ نہیں سن رہے ہیں۔ اللہ کے نزدیک بدترین زمین پر چلنے والے وہ بہرے اور گونگے ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے ہیں۔ اور اگر خدا ان میں کسی خیر کو دیکھتا تو انہیں ضرور سناتا اور اگر سنا بھی دیتا تو یہ منہ پھرا لیتے اور اعراض سے کام لیتے۔

"قَالُوا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا"[4] (انھوں نے کہا ہم نے سن تو لیا لیکن پھر نافرمانی بھی کریں گے) بلکہ یہ (منصب امامت) ذَٰلِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ[5] یہی درحقیقت فضل خدا ہے جسے چاہتا ہے عطا کر دیتا ہے اور اللہ تو بہت بڑے فضل کا مالک ہے)

انھیں حق انتخاب کس نے دیا؟!

پس ان لوگوں کو کیا حق حاصل ہے کہ امام منتخب کریں جبکہ امام ایک ایسا عالم ہے جس میں کوئی نادانی نہیں، ایک ایسا سرپرست ہے جو پیچھے نہیں ہٹتا، وہ معدن قدس و طہارت، طاعت و زہد اور علم و عبادت ہے، وہ دعوت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مخصوص اور فاطمہ بتولؑ کی پاکیزہ نسل سے ہے۔ اس کے نسب میں کسی طرح کا کوئی کھوٹ نہیں، شرافت نسب میں کوئی اس کے برابر نہیں، وہ خاندان قریش، ذریت ہاشم اور عترت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے اور وہ مرضی خدا ہے۔ وہ تمام اشراف کا شرف اور عبد مناف کی شاخ ہے۔ اس کا علم ترقی کرنے والا اور حلم کامل ہے۔ وہ امامت میں قوی اور سیاست میں عالم و دانا ہے۔ اس کی اطاعت و پیروی واجب اور وہ امر پروردگار کو قائم کرنے والا ہے۔ وہ بندگان خدا کا خیر خواہ اور دین خدا کا محافظ و نگہبان ہے۔

عطا کرنے والا خدا ہے

---

[1] سورۂ قلم، ۳۶ تا ۴۱

[2] سورۂ محمد، ۲۴

[3] سورۂ انفال، ۲۱۔ ۲۳

[4] سورۂ بقرہ، ۹۳

[5] سورۂ حدید/ ۲۱

خداوند عالم نے انبیاء اور ائمہ کو توفیق عطا کی۔ اپنے خزانہ علم و حکمت سے انھیں وہ چیزیں بخشی جو دوسروں کو نہیں بخشی۔ لہٰذا ان کا علم تمام اہل زمانہ کے علم سے زیادہ اور بالاتر ہوتا ہے۔ جیسا کہ خود فرماتا ہے: أَفَمَن يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ أَحَقُّ أَن يُتَّبَعَ أَمَّن لاَّ يَهِدِّي إِلاَّ أَن يُهْدَى فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ[1] " اور جو حق کی ہدایت کرتا ہے وہ واقعا قابلِ اتباع ہے یا جو ہدایت کرنے کے قابل بھی نہیں ہے مگر یہ کہ خود اس کی ہدایت کی جائے تو آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے اور تم کیسے فیصلے کر رہے ہو۔

نیز ارشاد فرمایا: وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا[2] اور جسے حکمت عطا کر دی جائے اسے گویا خیر کثیر عطا کر دیا گیا

اور جناب طالوت کے بارے میں فرمایا" :إِنَّ اللهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ وَاللهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَن يَشَاءُ وَاللهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ[3] " انہیں اللہ نے تمہارے لئے منتخب کیا ہے اور علم و جسم میں وسعت عطا فرمائی ہے اور اللہ جسے چاہتا ہے اپنا ملک دے دیتا ہے کہ وہ صاحبِ وسعت بھی ہے اور صاحبِ علم بھی۔

اور اپنے نبیؐ سے فرمایا" :وَأَنزَلَ اللهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا[4] " اور اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل کی ہے اور آپ کو ان تمام باتوں کا علم دے دیا ہے جن کا علم نہ تھا اور آپ پر خدا کا بہت بڑا فضل ہے) اور اپنے نبیؐ کے اہل بیت، ذریت اور عترت کے بارے میں ارشاد فرمایا":أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَى مَا آتَاهُمُ اللهُ مِن فَضْلِهِ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُم مُّلْكًا عَظِيمًا ۔ فَمِنْهُم مَّنْ آمَنَ بِهِ وَمِنْهُم مَّن صَدَّ عَنْهُ وَكَفَى بِجَهَنَّمَ سَعِيرًا[5] " یا وہ ان لوگوں سے حسد کرتے ہیں جنہیں خدا نے اپنے فضل و کرم سے بہت کچھ عطا کیا ہے تو پھر ہم نے آلِ ابراہیم کو کتاب و حکمت اور ملک عظیم سب کچھ عطا کیا ہے۔ پھر ان میں سے بعض ان چیزوں پر ایمان لے آئے اور بعض نے انکار کر دیا اور ان لوگوں کے لئے دہکتا ہوا جہنم ہی کافی ہے

جب خدا منتخب کرتا ہے تو۔۔۔

جب خداوند عالم کسی بندہ کو اپنے بندوں کے امور کی اصلاح کے لئے منتخب کرتا ہے تو اس کام کے لئے اس کے سینہ کو کشادہ کر دیتا ہے اور اس کے دل میں حکمت کے چشمے ودیعت کر دیتا ہے۔ اسے ایسا علم الہام کرتا ہے کہ اس کے بعد وہ کسی سوال کا جواب دینے سے عاجز نہیں ہوتا اور نہ ہی راہ صواب میں حیران و سرگردان ہوتا ہے۔ پس وہ معصوم اور اللہ کی جانب سے کامیاب اور ہدایت یافتہ ہوتا ہے۔ وہ ہر طرح کے گناہوں، لغزشوں اور غلطیوں سے محفوظ ہوتا ہے۔ خداند عالم اسے ان صفات کے ذریعہ امتیاز بخشتا ہے تاکہ وہ بندگان خدا پر اس کی حجت اور گواہ ہو

---

[1] یونس/ ۳۵

[2] بقرہ/ ۲۶۹

[3] بقرہ/ ۲۴۷

[4] نساء/ ۱۱۳

[5] سورۂ نساء/ ۵۵

"ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ"[1] یہ درحقیقت فضل خدا ہے جسے چاہتا ہے عطا کر دیتا ہے اور اللہ تو بہت بڑے فضل کا مالک ہے

کیا لوگ ایسے کو منتخب کر سکتے ہیں؟!!!

کیا یہ لوگ یہ قدرت و طاقت رکھتے ہیں کہ ایسے شخص کا انتخاب کر سکیں یا یہ ممکن ہے کہ ان کا منتخب امام ایسا ہو کہ اسے اپنا پیشوا بنا سکیں؟! خانۂ خدا (کعبہ) کی قسم انھوں نے حق سے سرکشی کی ہے اور کتاب خدا کو پس پشت ڈال دیا ہے گویا وہ جانتے ہی نہیں۔ جبکہ کتاب خدا (قرآن کریم) ہدایت و شفاء ہے۔ (لیکن) انھوں نے اسے پس پشت ڈال کر اپنے خواہشات کی پیروی کی ہے۔ لہٰذا خداوند عالم نے ان کی مذمت کی اور ان کو دشمن رکھا اور ان کو ہلاک و برباد کیا اور فرمایا "وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ"[2] اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہے جو خدائی ہدایت کے بغیر اپنی خواہشات کا اتباع کرلے جب کہ اللہ ظالم قوم کی ہدایت کرنے والا نہیں ہے. نیز ارشاد فرمایا: "فَتَعْسًا لَّهُمْ وَأَضَلَّ أَعْمَالَهُمْ"[3] ان کے واسطے ڈگمگاہٹ ہے اور ان کے اعمال برباد ہیں.

مزید ارشاد فرمایا: "كَبُرَ مَقْتًا عِندَ اللَّهِ وَعِندَ الَّذِينَ آمَنُوا كَذَٰلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ"[4]

وہ اللہ اور صاحبان ایمان کے نزدیک سخت نفرت کے حقدار ہیں اور اللہ اسی طرح ہر مغرور اور سرکش انسان کے دل پر مہر لگا دیتا ہے

وصلی اللہ علی النبی محمد وآلہ وسلم تسلیماً کثیراً۔

[1] سورۂ حدید/۲۱

[2] سورۂ قصص/۵۰

[3] سورۂ محمد/۸

[4] سورۂ غافر/۳۵

آل ابراہیم سرزمین حجاز میں ولادت اسماعیل اور ہجرت ہاجرہ

مرحوم علامہ علی نقی نقن طاب ثراہ

شام میں آئے ہوئے حضرت ابراہیمؑ کو مدت گزر گئی۔ ابراہیم اور ان کی بیوی سارہ دونوں کی عمر زیادہ ہو چکی ہے مگر نعمت اولاد سے محروم ہیں۔ انتہائی مایوسی کے بعد جناب سارہ نے حضرت ابراہیمؑ سے خود کہا کہ وہ ہاجرہ سے جو ان کے پاس خدمت کے لئے رکھی گئی تھیں تعلقات ازدواجی قائم کریں کہ شاید ان سے خداوند عالم اولاد عطا فرمائے۔

حضرت ابراہیمؑ نے ان کی فرمائش پر عمل کیا۔ چنانچہ جب ہاجرہ کے یہاں اسماعیلؑ کی ولادت ہوئی جس سے حضرت ابراہیمؑ کی ولادت ہوئی جس سے حضرت ابراہیمؑ کی مزید توجہ کا جناب ہاجرہؑ کی طرف مبذول ہو جانا فطری تھا۔ اب جناب سارہ کو ہاجرہ کا قیام اپنے پاس ناگوار ہونے لگا اور خلیل حق سے فرمائش کی کہ آپ ان ماں بیٹے کو میرے پاس سے ہٹا دیں اور کہیں دور لے جا کر رکھیں۔

حکمت باری سبحانہ اس پردہ میں ایک بڑی امت، ایک بڑے ملک بلکہ تمام عالمین کے لئے ایک مرکز کی تشکیل کا مرقع دیکھ رہی تھی اس لئے اس نے اپنے خلیل کو مامور کر دیا کہ وہ سارہ کے اصرار کی تعمیل کریں اور ہاجرہ اور ان کے فرزند کو ملک شام سے باہر لے جائیں۔

کہاں ارض فلسطین اور کہاں مکہ کی سرزمین مگر اس رہنمائے مطلق کی رہنمائی میں جو خلیل کو یہاں تک لے آئی ایک ایسی جگہ جہاں نہ پاس کوئی چشمہ نہ کوئی سبزہ نہ زراعت اپنے اللہ پر بھروسہ رکھنے والی پاک بی بی کو اس کے شیر خوار معصوم کے ساتھ بغیر کسی ظاہری سہارے کے بٹھا دیا اور خود سرزمین شام کی طرف واپس تشریف لے گئے۔

وہ بے آب و گیاہ میدان اور اس میں ایک خاتون محترمہ اور ایک بے زبان بچہ تھوڑے ہی وقت کے بعد بچہ پر پیاس کا غلبہ ہوا۔ ہاجرہ نے تلاش آب میں صفا و مروہ کے درمیان سات چکر کیے جس کی یادگار مناسک حج میں صفا و مروہ کے درمیان سعی کی شکل میں ہمیشہ کے لئے قائم ہے۔ آخر بقدرت خدا اسی زمین سے چاہ زمزم نمودار ہوا۔ "ہر کجا چشمہ بود شیریں "بس پانی کا برآمد ہونا تھا کہ چاروں طرف سے طیور جمع ہوئے اور طیور کی رہنمائی سے انسانوں کا گزر ہوا یہ دنیائے اسلام کے مرکز کا سنگ بنیاد تھا جس کی تاریخ کے اجزا میں بے سروسامانی غربت اور ہجرت، بھوک اور پیاس سب ہی چیزیں نمایاں طور پر نظر آرہی تھیں اور یہی شدت و صعوبت آئندہ کی فراخی و خوشحالی کی تمہید قرار پائی۔ فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا۔ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا

بیٹے کی قربانی:

ابراہیمؑ کی ایک قربانی جو بہت اہم تھی وہ بیٹے کی قربانی تھی۔ اہل کتاب یہود و نصاریٰ مدعی ہیں کہ وہ فرزند اسحاق تھے۔ مگر قرآن مجید سے جو ظاہر ہوتا ہے اور بائبل کے سیاق سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے یہ ہے کہ وہ جناب اسماعیل تھے۔ درایت بھی اس کی تائید میں ہے۔ اس لئے کہ اگر یہ واقعہ جناب اسحاق سے متعلق ہوتا تو اس کی یادگاریں بنی اسرائیل اور ملک شام میں نظر آتیں کیونکہ اسحاق بنی اسرائیل کے

مورث اعلیٰ تھے اور شام میں ان کا مسکن تھا۔ مگر یہ واقعہ ہے کہ اس کی یادگاریں ان کے مذہبی روایات اور رسوم دینی میں بالکل نہیں پائی جاتیں اور نہ ملک شام میں اس کے آثار نظر آتے ہیں۔

بر خلاف اس کے اولاد اسماعیلؑ میں اس کی یادگاریں قائم ہوئیں جو قبل اسلام بھی جاری تھیں اور بعد اسلام بھی برقرار رہیں جو عید الاضحیٰ اور مناسک حج سے ظاہر ہیں۔ نیز اس یادگار کا مرکز سرزمین مکہ ہوئی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کا تعلق اسماعیلؑ سے تھا اسحاقؑ سے نہیں تھا۔

اب واقعہ کی تفصیل ملاحظہ ہو جو بائبل میں بھی شرح و بسط کے ساتھ موجود ہے اور قرآن مجید نے بھی اسے درج کیا ہے اور یہ اس کی اہمیت ہے کہ آگ میں ابراہیمؑ کے پھینکے جانے کا اشارہ قرآن نے صرف چند جملوں میں کیا ہے لیکن ذبح فرزند کے واقعہ کو چند مسلسل آیتوں میں کافی توضیح کے ساتھ درج کیا ہے۔ اس طرح کہ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانظُرْ مَاذَا تَرَىٰ

جب اسماعیلؑ اس حد تک پہنچے کہ باپ کے ساتھ ان کی جد و جہد میں شرکت کرنے لگے"۔ یہاں پر تقاضائے اختصار نے درمیان کی منزلیں بعد کے کلام سے پتہ چل جانے کی وجہ سے ترک کرادی ہیں، ابراہیمؑ نے خواب میں دیکھا کہ وہ اپنے فرزند کو اپنے ہاتھ سے ذبح کر رہے ہیں۔ حکم الفاظ سے نہ تھا جن سے فوری ہونے کا اندازہ ہوتا اس لئے ابراہیمؑ نے اس دن اس بارے میں کوئی قدم نہیں اٹھایا۔ دوسری رات پھر خواب دیکھا۔ یہ دن بھی گزر گیا۔ تیسری رات پھر بعینہ وہی خواب دیکھا۔ اب تو ابراہیمؑ نے محسوس کیا کہ حکم کی تعمیل فوری منظور ہے۔ لہذا وہ تعمیل پر تیار ہو گئے لیکن اگر وہ اسماعیلؑ سے کوئی تذکرہ نہ کرتے تو قربانی حضرت ابراہیم کا عملی کارنامہ تو ہوتی، اسماعیل کو کوئی خاص درجہ حاصل نہ ہوتا۔

ابراہیم نے چاہا کہ ان کا فرزند مقام قربانی میں خود اختیاری بلندی کا حامل ہو جائے اس لئے اپنے بیٹے کو بلا کر کہا (یہاں سے صراحتا قرآن میں ذکر ہے) "بیٹا! میں خواب میں دیکھ رہا ہوں "اس لفظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ کئی مرتبہ خواب دیکھ چکے تھے۔ اگر ایک دفعہ دیکھا ہوتا ”رایت“ کہا جاتا کہ میں نے خواب دیکھا ہے۔ یہ نہ کہتے کہ دیکھ رہا ہوں" کہ "تمہیں ذبح کر رہا ہوں "اب" تم ذرا غور کرو کہ تمہاری کیا رائے ہے"۔

یہ امتحان الٰہی تھا کہ اتنا شدید حکم بیٹے کو ذبح کرنا اور ذریعہ حکم بہ ظاہر اتنا سبک یعنی خواب یہ ہو سکتا تھا کہ ملک بھیجا جائے اور وہ آکر بصورت پیام الٰہی حکم پہنچائے مگر یہ ہوتا تو اس کے حکم ہونے میں کوئی پہلو تامل کا پیدا ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ خالق نے چاہا کہ ذریعہ ایسا اختیار کرے جس ناقص نفوس خواب کہہ کر ٹال سکتے ہیں۔ اس طرح ابراہیمؑ کی بلندی نفس نمایاں ہو کہ انہوں نے منشائے الٰہی بتانے والے خواب کو کتنی اہمیت دی اور یہ صرف انبیاء علیہم السلام کا کام ہو سکتا ہے کیونکہ خواب ان کے لئے ایک طریقہ وحی کی حیثیت رکھتا ہے اور اس لئے بجز نبی کسی معمولی آدمی کو اس قسم کے خواب پر عمل جائز نہیں ہے۔

پھر ابراہیمؑ نے بھی بیٹے سے میں کہا کہ: ”إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ“ نہیں کہتے کہ مجھے حکم ہوا ہے کیونکہ حکم کہ دینے کے بعد آخر کا ٹکڑا کہ غور کرو تمہاری کیا رائے ہے "بے جوڑ ہو جاتا پھر یہ جناب اسماعیلؑ کا بھی امتحان تھا کہ وہ باپ کے خواب کو کیا سمجھتے ہیں اس لئے جہاں

تک امتحان کے سوالات کا پرچہ تھا خواب رہا۔ اللہ نے خواب دکھایا اور ابراہیمؑ نے بھی خواب ہی کے لفظ کے ساتھ اسماعیلؑ سے بیان کیا مگر جہاں سے جواب شروع ہوتا ہے وہاں سے لفظ بدل جاتی ہے۔ اسماعیلؑ نے یہ نہیں کہا کہ جو خواب دیکھا ہے اسے پورا کیجئے بلکہ کہا:۔

يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ. اے بابا جو حکم ہوا ہے اس کی تعمیل کیجئے۔ اللہ نے چاہا تو مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیے گا۔

اب حضرت ابراہیم نے امتثال حکم الٰہی کا انتظام کیا۔ اسماعیلؑ کو میدان منیٰ میں لائے۔ ذبح کے لئے بالکل تیار ہوئے۔ فرزند کو سامنے لٹایا اور چھری گلے پر رکھ دی۔ اس کے بعد کیا ہوا۔ اس کا تذکرہ قرآنی لفظوں میں یوں ہے۔ فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ ۔ وَنَادَيْنَاهُ أَن يَا إِبْرَاهِيمُ ۔ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۔ إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ ۔ وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ جب دونوں باپ بیٹے قربانی کے لئے تیار ہو گئے اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا"

یہاں یہ امر خاص طریقہ پر قابل توجہ ہے کہ قربانی کے لئے عملی طور سے آمادہ ہو جانے کو قرآن نے لفظ " أَسْلَمَا "سے تعبیر کیا ہے کہ وہ "مسلم" ہو گئے۔ اس طرح ذہن مسلم پر یہ اثر ڈالا ہے کہ قربانی پر آمادگی ایک مسلم کی نمایاں عملی شان ہے جس میں واضح طور پر اس کا اسلامی جوہر آشکار ہوتا ہے۔ اس کے بعد کیا ہوا؟ عام طور پر سمجھا اور کہا جاتا ہے کہ خالق نے قربانی کا حکم برطرف کر دیا مگر یاد رکھنا چاہئے کہ حکم کا تعلق افعال اختیاری سے ہوتا ہے اور ذبح میں جہاں تک کہ اختیاری افعال کا تعلق ہے وہ سب منزلیں ابراہیمؑ نے لے کر لی تھیں۔ پھر اب حکم برطرف کیے جانے کے کیا معنی ہو سکتے ہیں؟ اس کے علاوہ یہاں حکم کسی خطاب لفظی کے ذریعہ سے تو نہیں تھا۔ حکم بذریعہ خواب تھا، خواب کو دیکھنا چاہئے کہ کیا تھا؟

اگر خواب میں جناب ابراہیمؑ نے یہ دیکھا ہوتا کہ میں بیٹے کو ذبح کر چکا ہوں تو سمجھا جاسکتا تھا کہ اس کی تعمیل میں کوئی جز باقی رہ گیا مگر انہوں نے خواب میں دیکھا تھا کہ بیٹے کو ذبح کر رہا ہوں۔ جو دیکھا تھا وہ پورا عمل میں آگیا۔ پھر حکم برطرف کیے جانے کا خیال کہاں تک درست ہو سکتا ہے۔ پھر سب سے زیادہ فیصلہ کن دلیل یہ ہے کہ خالق کریم کی ندا جو قرآن میں اس کے بعد درج ہے اسے دیکھا جائے خالق کی ندا یہ نہیں کہ بس بس اے ابراہیم ہم نے اپنا حکم منسوخ کیا برطرف کر دیا بلکہ بنص قرآن آواز یہ آئی کہ:- يَا إِبْرَاهِيمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا اے ابراہیم تم نے خواب سچ کر دکھایا"۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ حکم بلا امتثال برطرف نہیں ہوا۔ بلکہ جتنا حکم تھا۔

اس کی پوری پوری تعمیل ہو گئی جس کی سند خالق نے اپنی اس خدا کے ساتھ دے دی إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۔ یوں ہی ہم جزا دیتے ہیں حسن عمل رکھنے والوں کو"۔ یہ ایک اصول عام کا اعلان ہے کہ ہمارا پورا نظام مجازات و قربانیوں ہی سے وابستہ ہے اور بلند مقاصد کی تکمیل اور رضائے الٰہی کی خاطر جس حد تک قربانی کی جائے گی اس حد تک جزا کا استحقاق ہو گا۔ إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ کھلی ہوئی آزمائش تھی۔ وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ

یہ حقیقت ہے کہ تمام اوامر و نواہی اور پورا نظام تشریع نوع انسانی سے قربانیوں کے مطالبہ پر مشتمل ہے اور انبیاء مرسلینؑ یا ائمہؑ دین ان سب کے تقرر کا مقصد کلی قربانی کی اعلیٰ مثالیں پیش کرتا ہے۔ اگر قربانی اسماعیل پیش خدا قربانی کا سب سے اعلیٰ نمونہ ہوتی تو اس قربانی کو

ملتوی کرنے اور فدیہ بھیجے جانے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ مگر چونکہ علم الٰہی میں ایک مکمل ترین قربانی اسی نسل اسماعیلؑ میں وجود میں آنے والی تھی اور آج کی قربانی اگر مختتم طور پر ہو جاتی تو اس نسل ہی کا وجود نہ ہو سکتا جو قربانیوں کی مکمل تاریخ اپنے عمل سے مرتب کرنے والی تھی۔ اس لئے خالق کو اس "ذبح عظیم" کی وجہ سے اسمٰعیلؑ کی قربانی کو فدیہ بھیج کر ملتوی کرنا ہی اصلح معلوم ہوا۔ مگر اس سے خود ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ کے کارنامہ کی اہمیت میں کوئی کمی پیدا نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ وہ اپنے عمل کی تمام منزلیں جو ان کے ارادہ و اختیار سے متعلق تھیں طے کر چکے تھے اور ان میں ایک ذرہ بھی کمی نہیں ہوئی۔

تعمیر کعبہ

جب اسمٰعیل بڑے ہو گئے تو خالق کی طرف سے ابراہیم مامور ہوئے کہ وہ اور اسمٰعیلؑ دونوں مل کر خانہ کعبہ کی تعمیر کریں اور یہ بنص قرآن پہلا گھر تھا جو کسی مخص مخلوق کی طرف منسوب ہوتے ہوئے نہیں بلکہ خالق کی طرف منسوب ہوتے ہوئے تمام مطلق کے لئے بنایا گیا۔

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ۔ ''بیت'' کو ہدایت عالمین کہنا ہی اس امر کی دلیل ہے کہ اس بیت والے (اہل بیت کچھ ہوں گے جو تمام عالمین کے لئے رحمت و ہدایت کا ذریعہ ہوں گے جن کے فرد اکمل کے لئے خطاب ہو گا ''وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ''

یہ خانہ کعبہ کی تعمیر در حقیقت اس دین اسلامی کے ایک مرکز کی تعمیر تھی جو تمام عالمین کے لئے سرمایہ فلاح و نجات ہے دونوں باپ بیٹے انتہائی خلوص کے ساتھ اس کی تعمیر میں مصروف ہوئے۔ اس طرح کہ حضرت خلیل اللہؑ معماری کر رہے تھے اور اسمٰعیلؑ مزدوری کر رہے تھے حالانکہ مکہ میں قبیلہ جرہم آ کے بس چکا تھا اور قبیلہ کی آبادی کے بعد ظاہر ہے کہ معماروں اور مزدوروں کی بھی کمی نہیں تھی مگر خالق کو یہی منظور تھا کہ اس گھر کا خلیلؑ اور ان کے فرزند کے پاک ہاتھوں سے بنے اور اس طرح ہمیشہ کیواسطے فرزندان اسلام کے لئے اس تصور کی داغ بیل ڈال دی کہ محنت مزدوری کوئی عیب نہیں ہے جب کہ ہمارے دینی و روحانی مورث اعلیٰ خود اس کام کے لئے خالق کی طرف سے بر سر کار لائے گئے۔ یہی وہ موقع تھا جب حضرت ابراہیمؑ اپنے فرزند کی شرکت میں دیواریں اونچی کرتے جاتے تھے اور اپنی ذریت کے لئے اسلام پر قائم و بر قرار رہنے کی دعا کرتے جاتے تھے۔

وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۔ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِن ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ

حج کا اعلان

جب خانہ کعبہ تعمیر ہو چکا تو خطاب الٰہی جناب ابراہیم کی طرف متوجہ ہوا کہ:۔ وَأَذِّن فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِن كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ اب تم عامہ خلائق میں خانہ کعبہ کے حج کا اعلان کر دو۔ دیکھنا کہ اس کے اعلان ہوتے ہی وہ تمہاری

طرف دوڑ پڑیں گے خواہ پیادہ اور خواہ سوارہ بڑے بڑے دور افتادہ اور ناہموار مقامات سے یہ بھی دعائے ابراہیمی کی قبولیت کی تمہید تھی جبکہ انہوں نے اپنی بیوی ہاجرہ اور صغیر فرزند اسماعیلؑ کو یہاں لاکر رکھا تھا تو اس وقت عرض کیا تھا۔

إِنِّي أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُم مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ

خدا نے دلوں کو اس طرف موڑنے کا یہ سامان کیا کہ اس جگہ کو مرکز حج بنادیا اور کسی حکم شرعی میں خالق نے یہ ذمہ داری نہیں لی کہ خلق خدا اس پر عمل بھی کرے گی مگر اس دعوت حج میں کچھ ایسی تاثیر قرار دی کہ تمام عرب خواہ وہ مومن ہوں یا کافر اس آواز سے متاثر ہو گئے۔ یہاں تک کہ جب حضرت محمد مصطفیٰ[1] صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعوت اسلام کے ساتھ مبعوث ہوئے تو اس وقت عرب نماز روزہ اور زکواۃ تمام فرائض دینیہ سے بیگانہ تھے مگر حج کی رسم اس وقت پورے جاہ وجلال کے ساتھ قائم تھی اگرچہ انہوں نے اس میں غیر مستحسن اجزا بھی داخل کر دیتے تھے مگر خانہ کعبہ کی مرکزیت کا احساس ان میں قائم تھا اور یہ اس غیر معمولی تصرف روحانی کا اثر تھا ہے دعوت ابراہیمی میں خالق نے مضمر کر دیا اور یہی اس اسلامی مرکز کے بقاء ودوام کی ہیشہ کے لئے ضمانت ہے۔

[1] الکافی، ج ا، کتاب الحجۃ، باب ۷۲، نادر جامع فی فصل الامام و صفاتہ

نہج البلاغہ میں محنت و مزدوری کے تربیتی آثار

عادل فراز

قانون شریعت انسانی زندگی کے ہر شعبے پر محیط ہے۔ اسلام دین فطرت ہے اور اس کے قوانین عین فطرت کے مطابق ہیں۔ اسلام نے انسان کی رشد وہدایت کے لئے اصول وضع کئے ہیں تاکہ وہ ایک بہتر زندگی گذار سکے۔ ان اصولوں میں افراط ہے نہ تفریط۔ اعتدال اسلامی قانون کی بنیادی شناخت ہے اور ہر شعبۂ حیات میں اعتدال کو ہی شرط اول قرار دیا گیا ہے۔ ایک بہتر معاشرے کی تشکیل کے لئے بہتر اقتصاد کا ہونا ضروری ہے اور اقتصاد بغیر محنت کے بہتر نہیں ہوسکتا۔ خواہ ہم تجارت کریں یا کھیتی باڑی، یا دیگر کاموں کے ذریعہ اپنے معاشی اور اقتصادی مسائل کو بہتر بنانے کے لئے جد وجہد کریں۔ قرآن مجید نے انسان کو کسب حلال کی دعوت دی ہے اور سیرت رسولؐ میں بھی محنت کے نمونے جابجا ملتے ہیں۔ جنگ خندق کے موقع پر آپ کا بذات خود خندق کھودنا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کبھی جسمانی محنت سے گریز نہیں کرتے تھے۔

حضرت مقداد نقل کرتے ہیں کہ حضورؐ ارشاد فرماتے تھے: ما اکل احد طعاما قط خیرا من ان یاکل من عمل یدہ وان نبی اللہ داؤد کان یاکل من عمل یدہ۔ ''جو انسان اپنی محنت کی کمائی سے کھانا کھائے اس سے بہتر کوئی غذا نہیں۔ بے شک نبی خدا داؤدؑ اپنی محنت کی کمائی کھاتے تھے''[1]۔ چونکہ حضرت داود کو اللہ نے بادشاہت عطا کی تھی اس لئے حضور ختمی مرتبتؐ نے انکی مثال دی ہے کہ اگر حضرت داؤدؑ بادشاہ ہوتے ہوئے کسب معاش کے لئے محنت سے پرہیز نہیں کرتے تھے تو پھر انسان محنت کرنے میں شرمندگی کیوں محسوس کرتا ہے؟۔ محنت اور مشقت سے روزی کمانا انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے، اس لئے ہمیں اس عمل کو افتخاریہ انجام دینا چاہیے

قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے: وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ۔[2]

''اور ہم نے داود کو زرہ سازی کا علم دیا تاکہ وہ تمہارے لئے زرہیں بنائے اور جنگ میں نقصان سے محفوظ رکھے۔ تو کیا تم شکر گذار بندے ہو؟''

آئمہ معصومین علیہم السلام نے کسب معاش کو اللہ کی راہ میں جہاد سے تعبیر کیا ہے۔ امام صادقؑ فرماتے ہیں: ''الکاد علی عیالہ کالمجاھد فی سبیل اللہ'' ''جو شخص اپنے اہل وعیال کے معاش کی تامین کیلئے گھر سے نکلے، تلاش اور کوشش کرے وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے مجاہد کی طرح ہے''[3]۔ بعض افراد کو دیکھا گیا کہ وہ تلاش و جستجو کے بجائے دعا اور اوراد و ظائف پر تکیہ کرلیتے ہیں۔ اس کے بعد جب معاشی اور خانگی پریشانیاں انہیں گھیر لیتی ہیں تو اس کے لئے خود کو ذمہ دار ٹھہرانے کے بجائے فلسفۂ دعا یا براہ راست خدا کے سلسلے میں تردد کا شکار ہوجاتے ہیں۔ جب کہ احادیث میں وارد ہوا ہے کہ جو انسان کسب معاش کے لئے تلاش و محنت

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۳۰

[2] سورہ الانبیاء آیت ۸۰

[3] وسائل الشیعہ جلد ۱۷ ص ۶۶۔ مذکورہ حدیث پیغمبر اسلامؐ سے بھی مروی ہے جیسا کہ اہلسنت کی کتب میں بھی مذکور ہے

نہیں کرتا اسکی دعا بھی قبول نہیں ہوتی۔ امام صادقؑ فرماتے ہیں: رجل جالس فی بیته یقول اللهم ارزقنی فیقال له الم آمرك بالطلب۔ جو شخص گھر میں بیٹھے بیٹھے یہ دعا کرتا رہے کہ اللہ مجھے رزق عطا فرما! تو اس سے کہا جائے گا کہ کیا تجھے کمانے کا حکم نہیں دیا گیا تھا[1]۔

ائمہ معصومین نے جہاں تجارت کو اہمیت دی ہے وہیں ان کی نگاہ میں سب سے زیادہ محبوب مشغلے باغبانی اور کھیتی باڑی کرنا تھا۔ متعدد احادیث میں ان مشغلوں کی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ہمارے ائمہؑ بھی باغبانی اور کھیتی باڑی فرماتے تھے۔ ان کے لگائے گئے باغات آج تک محفوظ ہیں۔ وہ اپنے کھیتوں میں بذات خود بیلچہ چلاتے اور پسینہ بہا کر اپنے اہل وعیال کے لئے روزی فراہم کرتے تھے۔ حضرت علیؑ نے اپنے دست ہائے مبارک سے کھجور کا باغ لگایا اور اس میں آب پاشی کا فریضہ بھی خود انجام دیا کرتے تھے۔ آپ کے پاس کھیتی باڑی کے لئے بھی زمینیں تھی جس میں آپ اور آپ کے بعد آپ کی اولاد امور کشاورزی میں مصروف رہتی تھی۔ نہج البلاغہ میں مولا کا ایک معروف جملہ ہے: قسمَ ارزاقهم اس نے سب کا رزق بانٹ رکھا ہے۔ (خطبہ ۸۸) تو گیا اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں حصول رزق کے لئے جدوجہد کی ضرورت نہیں ہے۔ رزق کے تعین کا ہرگز مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ بغیر محنت اور مشقت کے مل جائے گا۔ کیونکہ قرآن مجید میں ارشاد خداوند تعالیٰ ہے: "وَ اَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى بے شک انسان کے لئے اُتنا ہی ہے جتنا وہ کوشش کرے[2]۔ کیونکہ جس امامؑ کا یہ ارشاد ہے اس نے کبھی محنت و مشقت میں کوتاہی سے کام نہیں لیا۔

نہج البلاغہ میں محنت اور کسب حلال کی تشویق

نہج البلاغہ حضرت علیؑ کے خطبات، مکتوبات اور پند ونصائح کا آفاقی مجموعہ ہے جس میں انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر گفتگو کی گئی ہے۔ یوں دیکھا جائے تو نہج البلاغہ میں محنت و مزدوری یا کسب معاش پر مستقل کوئی خطبہ یا مکتوب موجود نہیں ہے لیکن جابجا ایسی عرفانی ہدایات موجود ہیں جو خطبوں اور تقریروں پر بھاری ہیں۔ کبھی کبھی ایک جملہ لمبی چوڑی تقریر سے زیادہ بامعنی اور ہمہ جہت ہوتا ہے۔ نہج البلاغہ کی خصوصیات میں سے ایک خاصیت اس کے جملوں کا کثیر المعنی ہونا بھی ہے۔ نہج البلاغہ کے ایک مکتوب میں آپ نے اپنے فرزند امام حسنؑ کو نصیحت فرمائی ہے جس میں جابجا محنت اور کسب معاش کے متعلق بھی ہدایات دی ہیں۔ البتہ اس خط کے مخاطبین کے سلسلے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ یہ خط آپ نے محمد ابن حنفیہ کو لکھا تھا اور بعض نے تحریر کیا ہے کہ اس خط میں حسنین علیہما السلام مخاطب ہیں۔ ہمیں اس امر سے بحث نہیں ہے کہ اس خط کے مخاطب کون ہیں کیونکہ مکتوب الیہ کے بدلنے سے خط کے مضمون کی اہمیت پر زیادہ فرق نہیں پڑے گا۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ اگر حضرت علیؑ اپنے فرزندوں کو محنت و مزدوری کی اہمیت پر خطاب کر رہے ہیں تو اس کا صریحی نتیجہ یہ بر آمد ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ کی نگاہ میں رزق حلال کی تلاش میں گھر سے نکلنا اور محنت و مزدوری کس درجہ احسن عمل ہے کیونکہ امام کبھی کسی قبیح اور لائق مذمت عمل کی دعوت نہیں دے گا۔

---

[1] اصول کافی، باب من لا تستجاب دعوته، حدیث ۲

[2] سورہ نجم آیت ۳۹

حضرتؑ نے اپنے فرزندوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:"فاسع فی کدحك و لا تکن خازناً لغیرك": روزی کمانے کے لئے دوڑ دھوپ کرو اور دوسروں کے خزانچی نہ بنو"۔ (مکتوب ۳۱) اس جملے کی الگ الگ انداز سے تشریح کی جاسکتی ہے لیکن ظاہری مفہوم یہی ہے کہ دوسروں کے یہاں بحیثیت منشی، خزانچی یا کسی دوسرے عہدے پر مقرر ہو کر کام کرنے سے بہتر ہے کہ آزادانہ طور پر رزق کمانے کو ترجیح دو۔ جیسا کہ اسلام نے نوکری (سرویس) کی فضیلت پر کوئی بات نہیں کی ہے کیونکہ نوکری انسان کو ذہنی اور نفسیاتی طور پر ماتحتی اور غلامی کا تصور دیتی ہے۔ یہ تصور کتنا ہی آزاد اور بلند کیوں نا ہو کہیں نہ کہیں اس میں غلامی کا شائبہ ضرور ہوتا ہے۔ اور جو انسان تجارت یا کسی دوسرے آزادانہ پیشے کے ذریعہ کسب معاش کو ترجیح دیتا ہے اس کی ذہنیت اور نفسیات نوکری پیشہ سے زیادہ مضبوط اور بہتر ہوگی۔ اسی خطبے میں آپ نے غلامی یا نوکری پیشہ افراد کے متعلق کہا ہے:"و لا تکن عبدَ غیرك و قد جعلك الله حُرّاً"۔ "دوسروں کے غلام نہ بن جاو جبکہ اللہ نے تمہیں آزاد بنایا ہے"۔ اس سے مزید وضاحت ہو جاتی ہے کہ آپؑ کی نگاہ میں کسب معاش کے لئے ایسے ذرائع کو اختیار کرنا جن سے غلامی کا اظہار ہوتا ہو، معیوب ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ حضرت علیؑ نے نوکری (سروس) کو حرام کہا ہے بلکہ ایسے پیشے اختیار کرنے کو حسن عمل سے تعبیر کیا ہے جن سے غلامی کا اظہار نہ ہوتا ہو۔ خواہ وہ کوئی بھی پیشہ ہو۔ اسی بنا پر ائمہؑ نے باغبانی، کھیتی باڑی اور مویشی پالنے کی ترغیب دی ہے۔ معاصر عہد میں بھی متمدن معاشرہ ان پیشوں کو بہتر اقتصاد کی ضمانت قرار دیتا ہے اور دنیا تیزی کے ساتھ باغبانی، کھیتی باڑی اور مویشیوں پالنے اور ان کی تجارت کی طرف راغب ہو رہی ہے۔

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسب معاش میں جد و جہد کرنے والا انسان کوشش کے مطابق نتیجہ حاصل نہ ہونے پر مایوسی کا شکار ہو جاتا ہے ایک انسان جو شب و روز محنت کرتا ہے مگر اس کے دن نہیں بدلتے تو وہ ڈپریشن کا شکار ہو جاتا ہے اور بسا اوقات خدا کے فضل و کرم کے متعلق بھی متذبذب دکھائی دیتا ہے کیونکہ اس نے قرآن مجید میں پڑھا ہوتا ہے کہ "وَ اَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی"[1] :اور بے شک انسان کے لئے اُسی قدر ہے جس قدر وہ کوشش کرتا ہے اس محرومانہ صورت حال پر حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ:"و مرارۃ الیاس خیرٌ من الطلب الی الناس۔ والحرفۃ مع العفّۃ خیر من الغنی مع الفجور۔ و المرء احفظ لسرّہ وربّ ساعٍ فیما یضرہٗ۔ من اکثر اھجر...": طلب میں نرم رفتاری اور کسب معاش میں میانہ روی سے کام لو کیونکہ اکثر طلب کا نتیجہ مال کا گنوانا ہوتا ہے۔

یہ ضروری نہیں کہ رزق کی تلاش میں لگا رہنے والا کامیاب ہی ہو اور کد و کاوش میں اعتدال سے کام لینے والا محروم ہی رہے۔ ہر ذلت سے اپنے نفس کو بلند تر سمجھو، اگرچہ وہ تمہاری من مانی چیزوں تک تمہیں پہونچادے کیونکہ اپنے نفس کی عزت جو کھودوگے، اس کا بدل کوئی حاصل نہ کرسکوگے"(مکتوب ۳۱) اسکے علاوہ آپ کے اقوال میں قناعت کی تعریف میں جابجا ملتا ہے:"القناعۃ مال لا ینفد"۔ قناعت وہ سرمایہ ہے جو ختم نہیں ہوسکتا دولت کی مذمت اور اس کی تخریب کاریوں پر مختلف خطبات میں آپ نے اظہار خیال فرمایا ہے جس کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے آپ کا ایک معروف کلمہ ہے:"المال مادۃ الشھواۃ"۔ دولت نفسانی خواہشوں کا سرچشمہ ہے۔

---

[1] سورہ نجم آیت ۳۹

ہر انسان کے لئے اللہ نے دو طرح کا رزق مخصوص کیا ہے۔ ایک وہ ہے جو انسان کو خود تلاش کر لیتا ہے اور دوسرے وہ ہے جس کی تلاش انسان کی ذمہ داری ہے۔ جو رزق انسان کی تلاش میں ہے وہ بھی بغیر جد وجہد کے حاصل نہیں ہو تا خواہ یہ محنت کتنے بھی محدود پیمانے پر ہی کیوں نہ ہو۔ دوسرا رزق جس کی تلاش انسان کی ذمہ داری ہے، یہ وہ رزق ہے جو انسان کو کشائش اور فارغ البالی کی طرف لے جاتا ہے۔ مولا فرماتے ہیں: "واعلم یابنیّ انّ الرزق رزقتان۔ رزق تطلبهٗ و رزق یطلبك۔ فان انت لم تاته اتاك ...": اے فرزند یقین رکھو کہ رزق دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک وہ جس کی تم جستجو کرتے ہو اور ایک وہ جو تمہاری جستجو میں لگا ہوا ہے۔ اگر تم اس کی طرف نہ جاؤ گے تو بھی وہ تم تک آکر رہے گا۔ ضرورت پڑنے پر گڑگڑانا اور مطلب نکل جانے پر کج خلقی سے پیش آنا کتنی بری عادت ہے"۔ (مکتوب ۳۱)

محنت کے ساتھ کسب حلال کی جہاں تعریف کی گئی ہے وہیں دولت کی فراوانی اور اس کے ذریعہ پیدا ہونے والی اخلاق برائیوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ ائمہ معصومینؑ نے کہیں دولت مندوں کی برائی نہیں کی کیونکہ جو اسلام بہتر اقتصاد کی دعوت دے رہا ہو وہ بھلا دولت کی مذمت کیسے کر سکتا ہے۔ ائمہ معصومینؑ نے جہاں بھی دولت کی مذمت کی ہے اس کے پس پردہ دولت کی بنیاد پر پیدا ہونے والی اخلاقی اور سماجی برائیاں ہیں جو انسان کو جہنم کی راہ پر ڈال دیتی ہیں۔ ورنہ اگر انسان کے پاس دولت نہی ہو گی تو پھر وہ امور خیر میں کیسے حصہ لے سکتا ہے۔ زکاۃ اور خمس کا فلسفہ صاحبان نصاب کے لئے ہے گویا کہ جن کے پاس ایک معین مقدار سے زیادہ مال یا اناج جمع ہو جائے۔ غریب اور فقیر کے لئے زکاۃ ہے اور نہ خمس۔ میرے خیال میں جو احادیث حضرت علیؑ کے شیعوں کے متعلق غربت اور فقیری کے حوالے سے پیش کی جاتی ہیں، ان پر تحقیق کی ضروت ہے صحیح السند ہونے کی صورت میں صحیح توجیہ اور تاویل پیش کی جائے تاکہ روایات میں تصادم واقع نہ ہو۔ مثال کے طور پر یہ حدیث کہ مولانا نے فرمایا: میرا چاہنے والا غریب ہو گا۔ آخر جو امامؑ بہتر اقتصاد اور معاشی ترقی کا حکم دے رہا ہو وہ یہ کیسے کہہ سکتا ہے کہ میرا شیعہ غریب ہو گا۔ لہذا اس قسم کی روایات کی صحیح طور پر تبیین کی جائے کیونکہ ائمہؑ کی احادیث میں جہاں بھی دولت کی مذمت کی گئی ہے وہ ایک خاص تناظر میں ہے جس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ رزق کی فراوانی خواہشات نفسانی میں اضافے کا سبب بن سکتی ہے۔ اس سے بچنے کے لئے ائمہ معصومینؑ نے مختلف دعائیں اور وظائف بتلائے ہیں جن کا الگ سے مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ لیکن جو رزق پاک دامانی اور حال طریقوں سے حاصل ہو گا اس میں کبر و غرور کے نفوذ کا امکان بہت کم ہوتا ہے۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں: پاک دامانی کے ساتھ محنت و مزدوری کرنا فق و فجور میں گھری دولت مندی سے بہتر ہے"۔ (مکتوب ۳۱) پھر فرمایا: بد ترین کھانا وہ ہے جو حرام ہو اور بد ترین ظلم وہ ہے جو کسی کمزور و ناتواں پر ہو"۔

دولت کی فروانی اور دولت مندوں کے ٹھاٹھ باٹھ پر تنقید کرتے ہوئے ایک دوسرے مقام پر فرمایا: "فلا یغرّنّکم ما اصبح فیه اهل الغرور۔ فانّما هو ظلّ ممدود الیٰ اجلِ معدود"۔ (خطبہ ۸۷) 'دیکھو! ان فریب خوردہ لوگوں کے ٹھاٹھ باٹھ تمہیں ورغلا نہ دیں۔ اس لئے کہ یہ ایک پھیلا ہوا سایہ ہے جس کا وقت محدود ہے'۔ یعنی مولاؑ کے نزدیک دولت کا سایہ سراب کی مانند ہے۔ جو انسان کو سیراب تو نہیں کر سکتا مگر فریب نظر ضرور دیتا ہے۔

عہد خلافت میں گورنروں کو محنت کی دعوت

حضرت علیؑ نے اپنے تمام گورنروں کو یہ ہدایت دے رکھی تھی کہ وہ بیت المال کو اپنی ضروریات پر خرچ نہ کریں اور جتنا حق معین کیا گیا ہے اس سے زیادہ نہ لیں۔ اگر آپ کو کسی ایسے گورنر کی شکایت موصول ہوئی جس نے بیت المال کی رقم کو اپنے حق سے زیادہ استعمال کیا تو آپ نے اس کی توبیخ کی اور احتساب کا حکم دیا۔ ایک موقع پر تو اپنے ایک گورنر کو زجر کرتے ہوئے یہاں تک لکھا کہ اگر حسنین بھی ایسا کرتے تو میں انہیں بھی معاف نہیں کرتا۔ لکھتے ہیں: ''اے وہ شخص جسے ہم ہوش مندوں میں شمار کرتے تھے، کیوں کر وہ کھانا پینا تمہیں خوشگوار معلوم ہوتا ہے جس کے متعلق جانتے ہو حرام کھا رہے ہو اور حرام پی رہے ہو۔ تم ان یتیموں، مسکینوں، مومنوں اور مجاہدوں کے مال سے جسے اللہ نے ان کا حق قرار دیا تھا اور ان کے ذریعہ سے ان شہروں کی حفاظت کی تھی، کنیزیں خریدتے ہو اور عورتوں سے بیاہ رچاتے ہو۔ اب اللہ سے ڈرو اور ان لوگوں کا مال انہیں واپس کرو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا اور پھر اللہ نے مجھے تم پر قابو دے دیا تو میں تمہارے بارے میں اللہ کے سامنے اپنے کو سرخرو کروں گا اور اپنی اس تلوار سے تمہیں ضرب لگاؤں گا جس کا وار میں نے جس کسی پر بھی لگایا وہ سیدھا دوزخ میں گیا۔ خدا کی قسم اگر حسن و حسین بھی وہ کرتے جو تم نے کیا ہے تو میں ان سے بھی کوئی رعایت نہ کرتا اور نہ وہ مجھ سے اپنی کوئی خواہش منوا سکتے، یہاں تک کہ میں ان سے حق کو پلٹا لیتا اور ان کے ظلم سے پیدا ہونے والے غلط نتائج کو مٹا دیتا''۔ (مکتوب ۴۰)

حضرت علیؑ تو یہ بھی برداشت نہیں کرتے تھے کہ ان کا گورنر کسی کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے عمدہ اور لذیذ کھانے تناول کرے۔ کیونکہ جو اپنے امیر اور حاکم کو کھانے پر دعوت دیتا ہے وہ اس سے کچھ نا کچھ توقع بھی رکھے گا۔ یہ توقع اکثر اوقات حق سے زیادہ طلب کرنے اور ظلم و زیادتی کے لئے بھی ہو سکتی ہے۔ بصرہ کا گورنر عثمان ابن حنیف آپ کا معتمد تھا لیکن جب آپ کو معلوم ہوا کہ وہاں کے لوگوں نے انہیں کھانے کی دعوت دی ہے، جس میں طرح طرح کے کھانے پیش کئے گئے، تو آپ برا نگیختہ ہوئے اور عثمان ابن حنیف کو خط لکھ کر اس دعوت پر سرزنش کی۔ آپ نے لکھا: ''اے ابن حنیف! مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ بصرہ کے جوانوں میں سے ایک شخص نے تمہیں کھانے پر بلایا اور تم لپک کر پہونچ گئے کہ رنگا رنگ کے عمدہ عمدہ کھانے تمہارے لئے چن چن کر لائے جا رہے تھے اور بڑے بڑے پیالے تمہاری طرف بڑھائے جا رہے تھے۔ مجھے امید نہ تھی کہ تم ان لوگوں کی دعوت قبول کر لوگے کہ جن کے یہاں سے فقیر و نادار دُھتکارے گئے ہوں اور دولت مند مدعو ہوں۔ جو لقمے چباتے ہو انہیں دیکھ لیا کرو اور جس کے متعلق شبہ بھی ہو اسے چھوڑ دیا کرو اور جس کے پاک و پاکیزہ طریق سے حاصل ہونے کا یقین ہو اس میں سے کھاؤ''۔ پھر فرماتے ہیں: ''اگر میں چاہتا تو صاف ستھرے شہد، عمدہ گیہوں اور ریشم کے بُنے ہوئے کپڑوں کے لئے ذرائع مہیا کر سکتا تھا۔ لیکن ایسا کہاں ہو سکتا ہے کہ خواہشیں مجھے مغلوب بنا لیں اور حرص مجھے اچھے اچھے کھانوں کے چُن لینے کی دعوت دے جبکہ حجاز و یمامہ میں شاید ایسے لوگ ہوں کہ جنہیں ایک روٹی ملنے کی بھی آس نہ ہو۔ اور انہیں پیٹ بھر کھانا بھی نصیب نہ ہوا ہو۔ کیا میں شکم سیر ہو کر پڑا رہوں؟ درآنحالیکہ میرے گردو پیش بھوکے پیٹ اور پیاسے جگر تڑپ رہے ہوں...... اے ابن حنیف! اللہ سے ڈرو اور اپنی ہی روٹیوں پر قناعت کرو تاکہ جہنم کی آگ سے چھٹکارا پا سکو۔'' (مکتوب ۴۵)

نہج البلاغہ میں مختلف موقعوں پر آپ نے محنت اور کسب حلال کی ہدایت دی ہے اور انسان کو غلامانہ زندگی گذارنے سے روکا ہے۔ ہمیں چاہئیے کہ ایک بہتر اور آئیڈیل زندگی کے لئے نہج البلاغہ کے رہنما اصولوں پر ضرور عمل کریں تاکہ حال کے ساتھ ہمارا مستقبل بھی خوشگوار ہو سکے۔

صحیفہ سجادیہ کی روشنی میں عقلی تربیت کے اصول

فاطمہ ایرانمنش/ تلخیص و ترجمہ: سجاد ربانی

تمہید:

انسان ایک ایساموجود ہے جسے اللہ تبارک و تعالی نے قوت فکرو عقل سے نوازا ہے اور اسے دیگر تمام مخلوقات پر فضیلت دی ہے۔ اس کے تمام وجودی صفات از جملہ انفرادی، اجتماعی، عائلی اور اخلاق تمام کے تمام عقلانیت اور خردورزی کے زیر سایہ پروان چڑھتے ہیں لہذا اس کی تعلیم و تربیت کا انتظام بھی عقلی معیار وملاک کے زیر سایہ انجام پاناچاہئے۔ چونکہ اگر عقل جیسی گہر گرانبار کو انسان سے چھین لیاجائے تواس کے پاس کچھ بھی نہیں بچتا یہی وجہ ہے کہ دین اسلام نے اپنی ابتداء سے ہی اس قوت کے استعمال اور نکھار پر بھر پور توجہ دی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید نے صاحبان عقل کو تفکر، تدبر اور غور و خوض کرنے کو معرفت کا سب سے پہلا زینہ قرار دیا ہے۔ لیکن یہ عقل خود بخود رشد و کمال حاصل نہیں کرتی بلکہ اس کے لئے ہدایت و تربیت کی ضرورت پڑتی ہے۔ لہذا ایک ایسا منبع اور سورس، جس نے عقل کی تربیت ، اور اس کے رشد اور کمال کی طرف خاص توجہ دلائی "صحیفہ سجادیہ" ہے۔ یہ چوتھے امام حضرت زین العابدین علیہ السلام سے وارد دعاؤں کا مجموعہ ہے جو ۵۴ دعاؤں پر مشتمل الہی معارف کا وہ گرانقدر خزانہ ہے کہ جسے قرآن مجید اور نہج البلاغہ کے بعد سب سے معتبر شمار کیا جاتا ہے مضامین کی متانت اور اتقان کے پیش نظر ہی علماء نے اسے زبور آل محمد کا لقب دیا ہے۔[1]

اس کی دعاؤں سے سوئے ہوئے دل بیدار ہوتے ہیں، اور سست و مفلوج عقلیں قوت پرواز حاصل کر کے آسمان کی بلندیوں کو پیچھے چھوڑ دیتی ہیں اس مبارک صحیفہ کی تعلیمات سے بنی نوع انسان ابد تک ہدایت و رہنمائی حاصل کرتی رہے گی۔

عقل کی تربیت اور اس کی اہمیت

معرفت کا ایک اہم وسیلہ عقل ہے اگر اس کی صحیح ہدایت و تربیت نہ کی جائے تو یہ انسان کی گمراہی و تباہی کا سبب بن سکتی ہے چنانچہ وہ عقل جس کی ہدایت و تربیت وحی کی تعلیمات کے زیر سایہ انجام پائے صرف وہی انسان کو حق و باطل کے درمیان صحیح تشخیص کی قوت اور حوصلہ عنایت کر سکتی ہے اور وہ انسان کو دودلی سے نکال کے توحید اور اس کی عبادت کی طرف راغب کر سکتی ہے۔ لہذا وہ عقل کہ جس کی تربیت نہ کی جائے تو وہ باب اخلاص کو وا کرنے پر کبھی قادر نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ امام سجاد علیہ السلام نے صحیفہ سجادیہ میں جن چیزوں کو عقل کی تربیت اور اس کے صیقل کرنے کے لئے ضروری قرار دیا ہے ہم ان کو فہرست وار آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں:

۱۔ تزکیہ

---

[1] ۔ عزیزی، واحدی، سیر آراء تربیتی در غرب، ص ۱۰۔

اگر کوئی شخص ہوا و ہوس کی پیروی کرے تو اسے نیک اعمال قبیح اور قبیح اعمال نیک معلوم ہونے لگتے ہیں چنانچہ سورہ مبارکہ فاطر میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے: أَفَمَن زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ فَرَآهُ حَسَنًا ۔[1] بھلا وہ شخص جس کا برا عمل (اس کی نگاہ میں) خوشنما بنا دیا گیا ہو اور وہ اسے اچھا سمجھنے لگے (کیا وہ ایک مؤمنِ صالح کی مانند ہو سکتا ہے)؟

چنانچہ اسلام میں عقل کی تربیت کا ایک اہم اصول کہ جو سرکشی اور طغیانیت کو مہار کرنے کے لئے لازمی ہے وہ تزکیہ نفس ہے لہذا امام سجاد علیہ السلام نے اپنی دعاؤں میں مکرر خواہشات نفسانی کے خطرات سے انسان کو آگاہ کیا ہے اور ۴۷ ویں دعا کے ۳۳ وے فراز میں فرماتے ہیں: "انسان کے دشمنوں میں سے ایک اس کی خواہشات نفس ہے جو اس سے جدا نہیں ہوتیں اور یہ شیطان جیسے دشمن سے بھی زیادہ خطرناک ہیں"۔[2]

اسی طرح خواہشات نفس کو ایک ایسے وجود کے طور پر متعارف کرواتے ہیں کہ جو انسان کو زمیں گیر بنا دیتا ہے اور اسے انسانیت کے درجہ سے نکال کر حیوانات کی صفوں میں داخل کر دیتا ہے چنانچہ اللہ کی بارگاہ میں دعا کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: "خدایا! میں تجھ سے اس شخص کی مانند درخواست کر رہا ہوں جس پر طویل آرزوں کا غلبہ ہے خواہشات نفسانی نے جسے اپنا اسیر بنا لیا ہے جس کے گناہ بہت زیادہ ہوں کہ تیرے علاوہ جس کی کوئی پناہگاہ نہیں"۔[3]

خواہشات نفسانی عقلی توازن کو بگاڑ دیتی ہے اور اس کے منحرف ہونے کا سبب بنتی ہے چنانچہ بعض علماء خواہشات نفس کی پیروی، خود پسندی اور غرور کو عقل کے لئے آفت شمار کرتے ہیں چونکہ حقیقی علم و معرفت تبھی میسر آسکتا ہے جب اس کا سرچشمہ تزکیہ و تہذیب نفس ہو بسا اوقات خواہشات نفس باطل کے مقابل حق کی طرفداری کے جذبہ کو انسان سے چھین لیتی ہے اور عقل کو اپنا اسیر بنا لیتی ہے اور انسان اپنے فضائل کو، حقیقت سے کہیں زیادہ تصور کرنے لگتا ہے لہذا اگر خواہشات کنٹرول ہو جائیں تو خود بخود عقل کو رشد وکمال میسر ہو جاتا ہے۔[4]

۲۔ حکمت کی تعلیم

حکمت ایسا ظریف علم، دانائی اور بصیرت ہے جو اس دنیا اور اس کے کام کے متعلق انسان کو پیدا ہوتا ہے[5]۔ گویا حکمت ایسا علم ہے کہ جس کے ذریعہ انسان فکر و عمل میں حق تک پہونچ جاتا ہے چنانچہ ایسے حقیقی علم کا حصول عقل کی تربیت کے لئے ایک اصول کی حیثیت رکھتا ہے۔[6] یعنی حکمت ایسا علم ہے جس کے سبب انسان کی رسائی حقیقت تک ہو جاتی ہے چنانچہ امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں: "حکمت

---

[1]۔ سورہ فاطر، آیت: ۸۔

[2]۔ صحیفہ سجادیہ، دعا: ۴۷، فراز: ۳۳۔

[3]۔ صحیفہ سجادیہ، دعا: ۵۳، فراز: ۹۔

[4]۔ باقری خسرو، نگاہی دربارہ بہ تربیت اسلامی، ص ۲۰۶۔

[5]۔ علوی، سید حمید رضا، نکات اساسی در فلسفہ تعلیم و تربیت و مکاتب فلسفی تربیتی، ص ۱۴۔

[6]۔ باقری خسرو، نگاہی دربارہ بہ تربیت اسلامی، ص ۲۰۷۔

عقل کے ذریعہ اور عقل حکمت کے ذریعہ کمال کو پہونچتے ہیں "[1]۔ لہذا جتنی حکمت وسیع ہوتی جائے گی اتنا ہی عقل کو بلوغ و رشد نصیب ملتا جائے گا یہی وجہ ہے کہ امام سجاد علیہ السلام ۷۲ویں دعا میں فرماتے ہیں: "خدایا! یہ لوگ جس چیز کو نہیں جانتے انہیں اس کا علم دے اور جس چیز سے آگاہ نہیں ہیں اس کے بارے میں آگاہی عطا فرما، اور جس چیز کو دیکھ نہیں پا رہے ہیں ان کی نسبت حکمت و بصیرت عطا فرما"۔[2]

صحیفہ سجادیہ میں امام علیہ السلام نے اس عالم ہست و بود کی متعدد و مختلف چیزوں کو مشاہدہ کر کے ان کے بارے میں تفکر و تعقل کی طرف انسان کی رہنمائی فرمائی ہے تا کہ انسان کی رسائی حقیقت تک ممکن ہو سکے چنانچہ آپ نے ۴۷ویں دعا کے ۵ویں فراز میں نظام تخلیق کے عجائبات، ۱۹ویں دعا کے پہلے فراز میں موسمیات ، ۱۹ویں دعا کے پہلے فراز میں بارش کے فوائد کا ذکر خصوصیت سے کیا ہے ۔لہذا تربیت کرنے والوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اہل تربیت کے سامنے ایسی آیات و نشانیوں کا ذکر کر کے ان میں تفکر و تعقل کے جذبہ کو پروان چڑھائیں اور باطل سے حق کو جدا کرنے میں ان کی عقل کو صحیح انتخاب پر وادار کریں پس حقیقی معرفت کے حصول کی عادت بھی عقل کی تربیت کا ایک اہم اصول ہے۔

۳۔علم کا حصول

عقل کے رشد و کمال کا ایک اہم ذریعہ علم کا حصول ہے۔ اس وقت تک تعقل و تفکر میں نکھار پیدا نہیں ہوتا جب تک پہلے مرحلے میں انسان زیور علم سے آراستہ نہ ہو یہی وجہ ہے کہ امیر المومنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں: " العقل عقلان: مطبوع ومسموع"۔[3] اور عقل مسموع صرف حصول علم و معرفت کے ذریعہ ہی رشد و بلوغ حاصل کرتی ہے۔ اور اسی طرح صحیفہ سجادیہ میں امام سجاد علیہ السلام خداوند عالم کی بارگاہ میں دعا کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں :"خدایا !جن چیزوں کا سیکھنا اور یاد کرنا میرے لئے ضروری ہے تو مجھ پر انہیں الہام فرما اور اپنے واجب کردہ امور کے علم کو بغیر کم و کاستی کے میرے لئے میسر فرما"۔[4]

نیز ایک دوسرے مقام پر تفسیر قرآن کی معرفت کے سبب آئمہ طاہرین علیہم السلام کی بلند و بالا منزلت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "اے پروردگار! تو نے قرآن مجید کو اپنے پیغمبر پر نازل کیا اور اس کے شگفت انگیز علوم کو مکمل طور پر آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر الہام فرمایا اور ہم اہل بیت کے لئے اس کے تفسیر شدہ علم کو میراث کے طور پر چھوڑا اور ہمیں ان لوگوں پر فضیلت دی جو علم تفسیر قرآن سے جاہل ہیں"۔[5]

قارئین کرام! علم انسان کی فکری غذا ہے جس طرح ظاہری غذا سے انسان کا جسم نشو و نما پاتا ہے اسی طرح علم کے ذریعہ انسان کی فکر اور عقل نشو و نما پاتی ہے جس کے سبب انسان زندگی گذارنے کے صحیح طریقوں سے آشنا ہوتا ہے چنانچہ امیر المومنین علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

---

[1]۔ تمیمی آمدی، عبد الواحد بن محمد، غرر الحکم و درر الکلام، ص ۵۶۴۔

[2]۔ صحیفہ سجادیہ، ۲۷،۴۔

[3]۔ ری شہری، محمد، موسوعۃ العقائد الاسلامیۃ، ج ۱، ص ۱۶۶۔

[4]۔ صحیفہ سجادیہ، دعا: ۲۴، فراز: ۳۔

[5]۔ صحیفہ سجادیہ، دعا: ۵، فراز: ۴۲۔

العقل غريزة تزيد بالعلم والتجارب"۔[1] عقل ایسی خو ہے جو علم اور تجربوں سے بڑھتی اور پروان چڑھتی ہے۔ نیز حصول علم کی فضیلت کے سلسلہ میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: "صبح وشام حصول علم کی تلاش میں رہنا خداوند عالم کے نزدیک اس کی راہ میں جہاد کرنے سے بہتر ہے"۔[2]

اس مقام پر اس امر کی جانب بھی توجہ رہے کہ اگرچہ علم اور عقل ایک دوسرے پر اثرانداز ہوتے ہیں لیکن صرف علمی اطلاعات کی وسعت سے عقل پروان نہیں چڑھتی بلکہ ایسے علم سے عقل کمال مطلوب کو پہونچتی ہے جو فطرت الہی کے سائے میں ہو۔ لہذا مربّیان ذی وقار کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان لوگوں کو تقوائے الہی کی طرف رغبت دلائیں جن کی تربیت کی ذمہ داری ان کے کاندھوں پر آئی ہے تاکہ گناہوں کے سبب ان کی عقلیں ماؤوف نہ ہو جائیں پھر کہیں جاکر انھیں حصول علم کی ڈگر پر گامزن کریں۔

۴۔ حصول تجربہ

جن چیزوں سے عقل کو کمال نصیب ہوتا ہے ان میں سے ایک تجربات کا حصول ہے۔ چنانچہ تجربات کے ذریعہ علم میں تازگی پیدا ہوتی ہے اور علم سے عقل کی کارکردگی بہتر ہوتی ہے چنانچہ امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے: في التجارب علم مستأنف"[3] تجربات کے ذریعہ علم تازہ ہوتا ہے۔ لہذا جس کی تربیت مطلوب ہے اسے مفید تجربات کی سمت راغب کرنا ایک حقیقی مربی کی ذمہ داری ہے۔

امام سجاد علیہ السلام صحیفہ میں ان لوگوں کو صاحبان عقل کے طور پر متعارف کرواتے ہیں جو گذشتہ زمانے کے واقعات کو عبرت اور نصیحت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں: "خدایا! تو مجھے میرے حالات پر مت چھوڑ، اور میری روداد کو نصیحت اور عبرت حاصل کرنے والوں کے لئے سرمایہ اور اہل فکر و نظر کے لئے امتحان قرار دے"۔[4]

ایک دوسرے مقام پر تاریخی تجربات سے عبرت حاصل کرنے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: خدا! وہ لوگ (ماضی کے لوگ) جو اپنے گھر اور دیار سے دور ہوگئے اور آرام وسکون کے بجائے سختی و پریشانی میں مبتلا ہوئے اور تیرے دین کی سربلندی کی خاطر جن مظلوم و ستم دیدہ لوگوں نے سختیاں اور مصائب برداشت کئے ہیں ان کی قدردانی فرما"۔[5]

۶۔ طبیعت کا مطالعہ اور اس میں غور وفکر

---

[1]۔ تمیمی آمدی، عبد الواحد بن محمد، غرر الحکم و درر الکلام، ص ۴۵۶۔

[2]۔ عابدینی مطلق، کاظم، ح:۵۶۵، ص ۷۲۔

[3]۔ ایمانی، محسن، تربیت عقلانی، ص ۱۶۱۔

[4]۔ صحیفہ سجادیہ، دعا: ۴۷، فراز: ۱۲۴۔

[5]۔ صحیفہ سجادیہ، دعا: ۴، فراز: ۸۔

طبیعت کا مطالعہ کرنے اور اس میں غور و فکر کرنے سے بھی عقل کو رشد و کمال نصیب ہوتا ہے چنانچہ قرآن مجید کی متعدد آیات میں انسان کو بہت سے مظاہر کائنات کے سلسلہ میں غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے ۔[1] نیز امام سجاد علیہ السلام نے صحیفہ کی بہت سی دعاؤں میں انسان کو طبیعت و نیچر کا مطالعہ کرنے اور اس میں غور و فکر کرنے کی ترغیب دلائی ہے ۔[2]

۷۔ انجام کے بارے میں غور کرنا

جن چیزوں سے عقل کو رشد و کمال نصیب ہوتا ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ انسان کسی کام کو شروع کرنے سے پہلے اس کے انجام اور نتیجہ کے بارے میں ضرور غور و فکر کرلے اور خاص طور پر ایک مربی کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اپنے شاگردوں کو عجلت سے کام لینے سے منع کرے انہیں ہر کام کے شروع کرنے سے پہلے اس کے انجام کی جانب توجہ دلائے اگر ایسا کیا جائے تو انسان کے لئے راہ کمال کو طئے کرنے میں زیادہ دشواریوں کا سامنا نہیں ہوگا چنانچہ امام سجاد علیہ السلام نے صحیفہ کی بہت سی دعاؤں میں اس امر کی جانب متوجہ کیا ہے[3]۔

۸۔ مشورہ کرنا

صاحبان بصیرت اور اہل نظر کے ساتھ مشورہ کرنے سے عقل کو کمال نصیب ہوتا ہے چونکہ جو شخص دوسرے سے اپنے کاموں کے سلسلہ میں مشورہ کرتا ہے گویا اس نے ان کی عقلوں کو اپنی خدمت کے لئے اجیر بنالیا ہے ۔[4] چنانچہ امام سجاد علیہ السلام نے بارہا صاحبان عقل و شعور سے مشورہ کرنے اور متعدد اقوال میں سے بہتر کا انتخاب کرنے کی جانب بنی نوع بشر کو متوجہ کیا ہے ۔[5]

قارئین کرام! عقل انسان کے پاس سب سے قیمتی گوہر ہے اور یہی دوسری مخلوقات سے انسان کی برتری کی دلیل بھی ہے لہذا جن مربیان حقیقت کی کندھوں پر قوم کی تربیت کی ذمہ داری ہے انہیں اس مدام یہ کوشش کرنا چاہئے کہ وہ اس پہلو کو قوی کریں تاکہ علم و معرفت میں ترقی کے ساتھ ساتھ زندگی کے دیگر پہلو بارونق بن سکیں ۔

عقل کا رشد و کمال کسی ظاہری غذا سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ ان ہستیوں کے فرامین اور ارشادات پر عمل پیرا ہو کر ہو سکتا ہے جنہیں اللہ نے عقل کل بنایا ۔ چنانچہ امام سجاد علیہ السلام کی مشہور مجموعہ دعا "صحیفہ سجادیہ" سے یہ چند سطور بطور نمونہ تحریر کی ہیں ورنہ اگر اس موضوع پر خامہ فرسائی کی جائے تو مکمل ایک دفتر تشکیل پا سکتا ہے ۔

آخر میں ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں امام سجاد علیہ السلام کی ان دعاؤں کو پڑھنے اور ان کے معارف کے حاصل کرنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے ۔

---

[1] ۔ سورہ یونس، آیت: ۱۰۱؛ سورہ حج، آیت: ۴۶؛ سورہ روم، آیت: ۸؛ سورہ بقرہ، آیت: ۴۴؛ سورہ اعراف، آیت: ۱۶۹ ۔

[2] ۔ صحیفہ سجادیہ، دعا: ۵، فراز: ۶؛ دعا: ۱۹، فراز: ۷؛ دعا: ۳۱، فراز: ۱۲ ۔

[3] ۔ صحیفہ سجادیہ، دعا ۹، فراز: ۲ ۔

[4] ۔ امینی، ابراہیم، اسلام و تعلیم و تربیت، ص ۳۴۲ ۔

[5] ۔ صحیفہ سجادیہ، دعا: ۲۶، فراز: ۱؛ دعا: ۲۰، فراز: ۸؛ دعا: ۲، فراز: ۱۵؛ دعا: ۱۷، فراز: ۱۴ ۔

معاشرے میں موجودہ حالات کی اصلاح

محمد تقی رضا

بے شک انسان ایک ایسی مخلوق ہے جو تنہا زندگی بسر نہیں کر سکتا بلکہ اسے اپنی زندگی کو آگے بڑھانے کے لئے اپنی ہم نوع دیگر انسانوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہی انسان دوسروں سے مل کر، انسانوں کا ایک اجتماع بناتا ہے اور جب وہ ایک دوسرے سے ارتباط حاصل کرتے ہیں تو اسی اجتماع کو معاشرہ کہا جاتا ہے۔

ہر معاشرہ میں، افراد کسی نہ کسی بنیاد پر متحد اور ایک جا جمع ہوتے ہیں، اب اگر وہ نقطۂ اتحاد، اسلام ہو تو اسے اسلامی معاشرہ کہیں گے اور اگر وہ نقطۂ اتحاد، غیر اسلامی ہو تو اسے غیر اسلامی معاشرہ کہیں گے جیسے کہ کمونیسم معاشرہ یا مغربی معاشرہ وغیرہ...

ہر معاشرے اور سماج کے انسان آپس میں مل کر تقریبا ہر چیز کے بارے میں دستور اور قوانین بناتے ہیں کہ کیا ہونا چاہیے اور کیا نہیں ہونا چاہیے۔ وہ کام جو ہونے چاہیے اسے عربی میں "صلاح" کہتے ہیں اور وہ کام جو نہیں ہونے چاہیے اسے "فساد" کہتے ہیں۔ اردو میں "صلاح" کا مطلب کسی چیز کا صحیح ہونا اور "فساد" کا مطلب بگاڑ ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ معاشرے اور سماج کے لوگوں کو آئین اور قوانین کے بنانے کی کیا ضرورت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہر معاشرے میں ایسے افراد پائے جاتے ہیں جو برے کام کرتے ہیں، فساد پھیلاتے ہیں، دوسروں کو منحرف کرتے ہیں، جب یہ سب کام عام ہو جاتے ہیں تو معاشرہ فساد کی طرف چلا جاتا ہے۔ جو معاشرے کے سقوط کا سبب بنتا ہے۔ فساد ہی سبب بنتا ہے کہ انسان معاشرے میں ہلاکت کی طرف قدم بڑھائے۔ اور یہ ہر معاشرے میں ہو سکتا ہے چاہے وہ اسلامی معاشرہ ہو یا غیر اسلامی معاشرہ۔ اس حالت میں اس کی اصلاح کی ضرورت ہوتی ہے۔

ظاہر ہے اصلاح جب ہوتی ہے جب کوئی فساد موجود ہو اور "فساد" اس وقت تک قابل تصور نہیں ہوتا جب تک کہ کوئی چیز اپنے صحیح راستے سے منحرف نہ ہو جائے یہاں پر ایک سوال ذہن میں آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ کیا اسلامی معاشرے میں فساد پیدا ہو سکتا ہے؟ اس کی وجوہات کیا ہیں؟

اس سوال کا جواب دینے سے قبل ہم کو معلوم ہونا چاہیے کہ اسلامی معاشرے کے اصول و قوانین کی بنیاد اور دارومدار قرآن مجید، پیغمبر اکرم ﷺ اور آئمہ معصومین کے فرمودات پر ہے جن کو خدا نے ہمارا سرپرست اور ولی قرار دیا ہے

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ

ایمان والوں بس تمہارا ولی اللہ ہے اور اس کا رسول اور وہ صاحبان ایمان جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں[1]

[1] سورہ مائدہ ۵۵

اس آیت میں اللہ نے اپنے سوا، رسول خدا اور نماز میں زکوٰۃ دینے والوں کو مومنین کا ولی بنایا ہے پھر حسب ذیل والی آیت میں ان کی اطاعت کا حکم دیا ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ [1] ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول اور صاحبان امر کی اطاعت کرو

لہذا ہم کو رسول خدا اور اولی الامر ہی بتائیں گے کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے اور کیا نہیں کرنا چاہیے اگر ہم نے ان کی اطاعت کی تو ہم نے "صلاح" کی طرف قدم اٹھایا ہے اور اگر ہم نے قرآن یا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے حکم کے خلاف کوئی کام انجام دیا ہے تو ہم نے "فساد" کی طرف قدم اٹھایا ہے۔

دوسرے لفظوں میں یہ کہا جائے کہ صلاح خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور معصومین علیہم السلام کے اوامر کا بجالانا ہے اور اللہ، رسول اور معصومینؑ کے دستورات کی نافرمانی کو "فساد" کہا جاتا ہے جس کے نتیجے میں احکام الہی تحریف کے خطرے میں آجاتے ہیں، اسی کی وجہ سے ظلم زیادہ ہوتا ہے، لوگوں کا حق مارا جاتا ہے، ظالم برسرکار آجاتے ہیں، بیت المال غارت گری کا شکار ہوجاتا ہے، خدا کی حرام کردہ چیز حلال اور حلال کردہ شی حرام جانی جاتی ہے، اسی کی وجہ شیطان کی اطاعت اور رحمن کی نافرمانی ہوتی ہے۔

جب معاشرے کی یہ صورت حال یہ ہو تو اس وقت اس کی "اصلاح" کی ضرورت پڑتی ہے یعنی ان سب چیزوں کا مقابلہ کرنا سب کا فریضہ ہوتا ہے، اور مقابلہ اس وقت ہوگا جب ہم اسلامی آئین اور قوانین کو صحیح طور پر جانتے ہوں گے اور اس پر عمل پیرا ہونگے تبھی ہم دوسروں کو صحیح طریقے سے سمجھا سکتے ہیں اور اچھی طرح اصلاح کرسکتے ہیں اس کے علاوہ معاشرہ کی اصلاح ممکن نہیں ہے اور یہ اصلاح امر بالمعروف اور نہی از منکر کے قالب میں ممکن ہے، جو ہمارے دین اسلام میں عظیم اہمیت کی حامل ہے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس کو "فریضہ عظیمہ" کے نام سے یاد کیا ہے:

إنَّ الأمرَ بِالمَعروفِ و النَّهيَ عَنِ المُنكَرِ سَبيلُ الأنبياءِ، و مِنهاجُ الصُّلَحاءِ، فريضَةٌ عَظيمَةٌ بِها تُقامُ الفَرائضُ، و تَأمَنُ المَذاهِبُ، و تَحِلُّ المَكاسِبُ، و تُرَدُّ المَظالِمُ، و تَعمُرُ الأرضُ، و يُنتَصَفُ مِنَ الأعداءِ، و يَستَقيمُ الأمرُ. بے شک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پیغمبروں کا طریقہ ہے، صالحین کی روش ہے، بہت بڑا فریضہ اور واجب ہے (کیونکہ) اس کی وجہ سے دوسرے واجبات برپا ہوتے ہیں، راستوں میں امن و امان ہوتا ہے، انسان کی کمائی حلال ہوتی ہے، لوگوں کے حقوق ان تک پہنچتے ہیں، زمین آباد ہوتی ہے، دشمنوں سے انتقام لیا جاتا ہے، کاموں کی اصلاح ہوتی ہے۔

---

[1] نساء ۵۹

امر بالمعروف اور نہی از منکر میں معاشرہ کی مکمل طور پر اصلاح پوشیدہ ہے کیونکہ اس سے واجبات کی ادائیگی، راستوں میں امن، رزق حلال کی درآمد، لوگوں کے حقوق کی ادائیگی، زمین کی آبادی، دشمنوں سے انتقام اور کاموں کی اصلاح ہوتی ہے

مختصر یہ کہا جائے کہ اسلام دستورات پر عمل کرنے سے تمام فسادات کا سد باب ہوجاتا ہے یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہمارے اسلامی معاشرے میں چاہے وہ کسی بھی فیلڈ میں ہو، چاہے وہ ثقافتی فیلڈ ہو، اقتصادی، پولیٹیکل ہو یا سیاسی ہو جب بھی ہم نے اسلام پر عمل نہیں کیا فساد اور بد بختی کا شکار رہے۔ فساد کا مطلب یہ نہیں ہے کہ حتما کوئی سڑکوں پر دہشت گردی کرے یا کوئی کسی کا مال یا پیسہ مار لے بلکہ اگر ہم چھوٹے چھوٹے کاموں میں بھی اسلام کے مطابق عمل نہیں کریں گے تو خواہ مخواہ فساد کی سمت بڑھیں گے اور اس سے ہم کو نجات نہیں مل سکتی اور جب تک خود اپنی اصلاح کے بارے میں قدم نہ بڑھائیں گے خداوند متعال بھی ہماری مدد نہیں کر سکتا جیسا کہ خود اس نے ارشاد فرمایا ہے «إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ »[1] بے شک خدا کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جب تک کہ وہ لوگ خود اپنی حالت کو نہیں بدلتے۔ لہذا اگر ہم فساد، گمراہی، کجروی، انحراف و ضلالت سے محفوظ رہنا چاہتے ہیں تو دینداری کو گلے سے لگالیں اور اگر ان میں گرفتار ہیں تو بھی دینداری کو اپنالیں اور اپنے علماء کی طرف رجوع کریں اور ان سے احکام دینیہ کو حاصل کر کے عمل کریں اسی میں ہماری نجات ہے۔ شاید ہماری بیداری کے لیے تھوڑا سا ہی تدبر اور غور کافی ہو۔

نتیجۂ فکر: شمسؔ بلتستانی زید عزہ

ذکرِ رضا جہاں سے مٹایا نہ جائے گا — یہ چاند تیرگی سے چھپایا نہ جائے گا
اوصاف کبریاء کا ہے مظہر ترا وجود — رتبہ کسی سے تیرا گھٹایا نہ جائے گا
میں ہوں یہاں یہ ماں کی طہارت کی ہے سند — مشہد میں بد نسب سے تو آیا نہ جائے گا
جو وقت میں نے مشہد و قم میں بِتا دیا — مجھ سے کبھی وہ وقت بھلایا نہ جائے گا
شہ نے چراغ اِس لیے خاموش کر دیا — یہ بوجھ روشنی سے اُٹھایا نہ جائے گا
رندانِ حق کو ساقیِ کوثر پلائیں گے — وہ جام جو کسی کو پلایا نہ جائے گا
دو انگلیوں پہ جسکو علی نے اُٹھالیا — وہ در تو لشکروں سے ہلایا نہ جائے گا
بیٹی کے احترام میں اُٹھیں گے خود رسول — یہ مرتبہ کسی کو دلایا نہ جائے گا
بس پنجتن ہی زیرِ کساء شمسؔ آئیں گے — اِنکے سواء کسی کو بُلایا نہ جائے گا

[1] سورہ رعد ۱۱

احکام وطن

رہبر معظم آیت اللہ العظمی سید علی خامنہ ای دام ظلہ اور آیت اللہ العظمی سید علی سیستانی دام ظلہ کے فتاوی کے مطابق

سید منظور عالم جعفری سرسوی

وطن کے معنی

فقہی اصطلاح میں وطن سے مراد وہ جگہ ہے جہاں انسان کی پیدائش ہو یا جس جگہ پر انسان ہمیشہ زندگی گزارتا ہے[1]۔ ہر شخص اپنے وطن میں نماز پوری پڑھے گا اور روزہ بھی رکھے گا حتی کہ اگر سفر کے دوران صرف اپنے وطن سے گزرے اور وہاں رہنے کا ارادہ بھی نہ رکھتا ہو تب بھی نماز پوری پڑھے گا اور روزہ بھی رکھے گا۔

شیعہ فقہی متون میں، وطن کو تین قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے، جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱) اصلی وطن

ایک شخص کا اصلی وطن، اس کے والدین کا وطن اور وہ جگہ جہاں اس کی ولادت ہوئی ہے اور کچھ مدت تک اس جگہ زندگی گزاری ہے[2]۔

نوٹ: وطن اصلی سے جب تک اعراض نہ کرے انسان روزہ رکھے گا اور نماز بھی کامل پڑھے گا۔

یہاں ایک سوال قابل ذکر ہے: اگر ولادت کا ہسپتال (زچہ خانہ) باپ کے وطن سے باہر ہو اور وضع حمل کی خاطر ماں کو چند روز اس ہسپتال میں داخل ہونا پڑے اور بچے کی ولادت کے بعد وہ پھر اپنے گھر لوٹ آئے تو اس پیدا ہونے والے بچے کا وطن کونسا ہوگا؟

رہبر معظم آیت اللہ خامنہ ای فرماتے ہیں: صرف کسی شہر میں پیدا ہونے سے وہ شہر اس بچے کا وطن نہیں بن جاتا، بلکہ اس کا وطن وہی ہے جو اس کے والدین کا ہے کہ جہاں بچہ ولادت کے بعد منتقل ہوتا ہے اور جس میں ماں باپ کے ساتھ زندگی بسر کرتا ہے اور پروان چڑھتا ہے[3]۔

۲) عرفی وطن دائمی یا انتخاب شدہ وطن دائمی

عرفی یا انتخاب شدہ وطن وہ جگہ ہے جو انسان نے اپنی زندگی گزارنے کے لئے انتخاب کی ہے اگرچہ وہ اس کی پیدائش کی جگہ نہ ہو اور بقیہ عمر بھی وہیں رہنا چاہتا ہے[4]۔

رہبر معظم آیت اللہ خامنہ ای فرماتے ہیں: نئے شہر کو وطن بنانے کی یہ شرط نہیں ہے کہ انسان اسے وطن بنانے کا ارادہ کرنے اور اس میں سکونت اختیار کرنے کے بعد مسلسل کچھ مدت اس جگہ رہے، بلکہ جب اسے نئے وطن کے طور پر انتخاب کر لے اور اس قصد کے ساتھ کچھ

---

[1] یزدی، العروۃ الوثقی، ج ۳، ص ۴۷۲-۴۷۱

[2] سبحانی، ضیاء الناظر، ص ۲۲۷

[3] رہبر معظم آیت اللہ خامنہ ای، استفتاآت، س ۶۸۸

[4] آیت اللہ سیستانی، توضیح المسائل جامع، مسئلہ ۱۶۰۲

مدت "اگرچہ صرف راتیں" وہاں رہائش رکھے تو وہ اس کا وطن شمار ہو گا اسی طرح اگر ایسے کام انجام دے کہ جنہیں عام طور پر انسان کسی جگہ کو وطن بنانے کیلئے انجام دیتا ہے جیسے گھر تیار کرنا، کاروبار کی جگہ کا انتخاب کرنا "اگرچہ وہاں رہانہ بھی ہو" تو وطن بن جائے گا[1]۔

۳) موقت (وقتی) وطن:

موقت (وقتی) وطن: وہ جگہ جسے انسان نے رہنے کے لیے یا کام اور پڑھائی کے لیے اپنی قیام گاہ قرار دی ہے گرچہ قصد نہ رکھتا ہو کہ ہمیشہ وہاں پر رہے، چنانچہ اس طرح ہو کہ عرف اسے وہاں پر مسافر نہ کہے اس طرح سے کہ اگر وقتی طور پر دس دن یا اس سے زیادہ کسی دوسری جگہ کو اپنی قیام گاہ قرار دے پھر بھی عرف اس کی زندگی گزارنے اور رہنے کی جگہ وہی (پہلی جگہ) کو کہے تو وہاں اس کا وطن شمار ہو گا اور اسے وطن اتخاذی موقت یا وطن موقت کہتے ہیں[2]۔

رہبر معظم آیت اللہ خامنہ ای فرماتے ہیں: نئے وطن کے لئے شرط ہے کہ کسی مخصوص اور معین شہر کو وطن بنانے کا قصد کیا جائے اور اس میں اتنا عرصہ زندگی بسر کرے کہ عرف عام میں کہا جائے یہ شخص اس شہر کا باشندہ ہے، لیکن اس شہر میں گھر وغیرہ کا مالک ہونا شرط نہیں ہے[3]۔

رہبر معظم آیت اللہ خامنہ ای فرماتے ہیں: کسی جگہ ملازمت کرنے سے وہ جگہ اس کا وطن نہیں بنتی ہے، لیکن اگر وہاں اس کی رہائش ہو اور کم از کم ایک سال وہاں رہنے کا ارادہ رکھتا ہو تو اس کا حکم، مسافر والا نہیں ہو گا اور اس کی نماز پوری اور روزہ صحیح ہے[4]۔

رہبر معظم آیت اللہ خامنہ ای وطن دوم کے بارے میں فرماتے ہیں: وطن ثانی: اس جگہ کو کہتے ہیں کہ جہاں مکلف ہمیشہ یا طویل مدت (اگرچہ سال میں کچھ مہینے) یا کوئی مدت معین کئے بغیر وہاں زندگی گزارنے کا یقینی قصد رکھتا ہو[5]۔

آیت اللہ سیستانی فرماتے ہیں: وہ نکات جو وطن موقت ثابت ہونے کے لیے ملاحظہ کرنا چاہیے مندرجہ ذیل ہیں:

الف: انسان کی مدت اقامت اس جگہ پر کم نہ ہو مثلاً جو شخص قصد رکھتا ہے چند سال تک ہر روز صرف تین چار گھنٹے کسی جگہ پر رہے تو اتنی مقدار وطن موقت صدق ہونے کے لیے کافی نہیں ہے۔

ب: مجموعی طور پر یہ مدت طولانی زمانے میں حاصل نہ ہو۔

ج: جتنا بھی گھنٹوں کی تعداد دن میں اور دنوں کی تعداد مہینے میں زیادہ ہو اتنا ہی وطن موقت صدق ہونے اور انسان کی قیام گاہ کہلانے میں کم زمانے کی ضرورت ہو گی اور جتنا بھی گھنٹوں کی تعداد دن میں اور دنوں کی تعداد مہینے میں کم ہو وطن موقت کے صدق ہونے اور انسان کی قیام گاہ کہلانے میں زیادہ مدت کی ضرورت ہو گی۔

---

[1] رہبر معظم آیت اللہ خامنہ ای، استفتاآت، س ۶۸۵

[2] آیت اللہ سیستانی، توضیح المسائل جامع مسئلہ ۱۶۰۲

[3] رہبر معظم آیت اللہ خامنہ ای، استفتاآت، س ۶۹۰

[4] رہبر معظم آیت اللہ خامنہ ای، استفتاآت، س ۶۹۳

[5] رہبر معظم آیت اللہ خامنہ ای، استفتاآت، س ۶۹۵

اس بنا پر کچھ مقامات مندرجہ ذیل جدول میں نمونے کے طور پر ذکر کئے جارہے ہیں افراد اس جدول سے جو عرف کے نظریہ کو تشخیص دینے کے لیے منظم کیا گیا ہے جہاں پر عرف میں شک پایا جاتا ہو اس سے مدد حاصل کی جاسکتی ہے دوسرے مقامات کا حکم بھی مذکورہ مقامات سے مقایسہ (موازنہ) کرتے ہوئے واضح ہو جائے گا۔

مثال کے طور پر اگر کوئی اسٹوڈینٹ تین سال کے لیے کسی شہر میں پڑھ رہا ہو اور ہر مہینے میں ۱۵ دن اس شہر اور ۱۵ دن اپنے وطن میں رہے اس طرح سے کہ اس شہر میں شبانہ روز (دن ورات) کی شکل میں سکونت رکھتا ہو تو مندرجہ ذیل جدول میں شمارہ نمبر ۲ کے مطابق مذکورہ شہر اس کا وطن شمار ہوگا قابلِ ذکر ہے کہ مندرجہ ذیل بعض مقامات میں وطن اور قیام گاہ کا صدق ہونا محل اشکال ہے اس لیے احتیاط کے تقاضے پر عمل کرنا ترک نہ کرے۔

آیت اللہ سیستانی کے مطابق وطن اور موقت قیام گاہ سے مربوط جدول:

شمارہ	دن میں گھنٹوں کی تعداد	مہینے میں دنوں کی تعداد	سال کی تعداد	موقت وطن اور قیام گاہ کا حکم
۱	۲۴	۲۲_۳۰	1/5	رکھتا ہے
۲	۲۴	۱۵	۳	رکھتا ہے
۳	۲۴	۷_۸	۴	رکھتا ہے
۴	۲۴	۶	۵ سال یا کمتر	نہیں رکھتا
۵	۲۴	۶	۵ سال سے زیادہ	محل اشکال ہے
۶	۲۴	۴	۷ سال یا کمتر	نہیں رکھتا
۷	۲	۴	۷ سال سے زیادہ	محل اشکال ہے
۸	۱۲	۲۲	۳	رکھتا ہے
۹	۱۲	۱۵	۵	رکھتا ہے
۱۰	۱۲	۶	۷ سال اور کمتر	نہیں رکھتا ہے
۱۱	۱۲	۶	۷ سال سے زیادہ	محل اشکال ہے
۱۲	۸	۲۰	۴	رکھتا ہے
۱۳	۶	۲۲	۴	رکھتا ہے
۱۴	۳_۴	۳۰	غیر معین	نہیں رکھتا

قابلِ ذکر ہے کہ وطن کی دوسری اور تیسری قسم (وطن اتخاذی دائم اور وطن موقت) میں فرق نہیں ہے کہ خود انسان نے مستقل طور پر انتخاب کیا ہو یا کسی دوسرے شخص کی تبعیت میں انتخاب کیا ہو ہر صورت میں اس کا وطن شمار ہوگا، مثلاً اگر فرزند عرفاً والدین کے تابع شمار ہو اور ابھی اس جہت سے فیصلہ لینے میں مستقل نہ ہو چنانچہ اس کے والدین شہر مشہد کو وطن اتخاذی دائمی یا موقت انتخاب کریں اور وہاں پر رہنے لگیں تو شہر مشہد اس فرزند کے لیے بھی جو ان کے ساتھ مشہد میں رہ رہا ہے وطن شمار کیا جائے گا[1]۔

قابل ذکر ہے کہ وطن قرار دینے میں شرط نہیں ہے کہ وہ صرف ایک یا دو ہی شہر کو اپنا وطن قرار دے بلکہ ایک دو سے بھی زیادہ انسان کے وطن ہو سکتے ہیں۔ آیت اللہ سیستانی فرماتے ہیں: جو شخص دو جگہ رہتا ہے مثلاً چھ مہینے ایک شہر اور چھ مہینے کسی دوسرے شہر میں رہتا ہے دونوں جگہ اس کا وطن ہے بلکہ اگر دو جگہ سے زیادہ رہنے کے لیے انتخاب کیا ہو وہ سب اس کا وطن شمار ہوگا مثلاً تین شہر اگر عرفاً انسان کا وطن شمار ہو اور انسان سال کے چار مہینے جب موسم گرم ہے پہلے شہر میں رہے اور پھر چار مہینے جب موسم سرد ہے دوسرے شہر میں اور بقیہ سال تیسرے شہر میں رہتا ہو[2]۔

رہبر انقلاب اسلامی آیت اللہ خامنہ ای اس سلسلے میں فرماتے ہیں: اگر آپ دوسرے شہر میں اتنا رہتے ہیں کہ عرف میں مسافر شمار نہیں ہوتے تو اس جگہ آپ کی نماز پوری اور روزہ صحیح ہے[3]۔

شرعی وطن

بعض فقہائے کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم ایک دوسرے وطن "وطن شرعی" کے نام سے قائل ہیں اور کہا ہے کہ: جو شخص کسی جگہ پر اپنا ذاتی گھر رکھتا ہے اگر چھ مہینے ایک ساتھ قصد اقامت کے ساتھ رہ جائے جب تک وہ گھر اس کا ہے وہ جگہ اس کے وطن کا حکم رکھتی ہے پس جب بھی سفر میں وہاں پر جائے نماز پوری پڑھے،[4] لیکن یہ حکم آیت اللہ سیستانی کے نزدیک ثابت نہیں ہے، (آیت اللہ سیستانی، توضیح المسائل جامع، مسئلہ ۱۶۰۴)۔

وطن کو ترک کرنا:

اگر انسان اپنے وطن کو نظر انداز کرے اور پھر وہاں نہ رہنا چاہتا ہو تو جب وہاں سے خارج ہو اس نے اپنے وطن سے اعراض کیا ہے۔ اس بنا پر اس وقت سے جب بھی اس جگہ پر صلۂ رحم، زیارت، تفریح وغیرہ کے لیے جائے اس کے لیے وطن کا حکم نہیں رکھتا اور اس کی نماز وہاں قصر ہے گرچہ اس نے اپنے لیے کسی دوسرے وطن کا انتخاب نہ کیا ہو، مگر یہ کہ ان عناوین میں سے کوئی ایک جو نماز کے کامل ہونے کا سبب ہے جیسے کثیر السفر، خانہ بدوش، دس دن رہنے کا قصد اس پر صدق کرے تو اس صورت میں اس کی نماز کامل ہے۔ (آیت اللہ سیستانی، توضیح المسائل جامع، مسئلہ ۱۶۰۸)۔

---

[1] آیت اللہ سیستانی، توضیح المسائل جامع، مسئلہ ۱۶۰۲

[2] آیت اللہ سیستانی، توضیح المسائل جامع، مسئلہ ۱۶۰۲

[3] رہبر معظم آیت اللہ خامنہ ای، استفتاآت، س ۶۸۳

[4] یزدی، عروۃ الوثقی، ج ۳، ص ۴۷۳

وطن سے اعراض اور اسے نظرانداز کرنے کا معیار یہ ہے کہ انسان اطمینان رکھتا ہو آئندہ اس جگہ رہنے کے لیے واپس نہیں آئے گا، اس بنا پر جو شخص کسی وجہ سے اپنے وطن سے جیسے ڈیوٹی، شادی، پڑھائی، وغیرہ کے لیے جاتا ہے اور دوسرے شہر کو اپنے وطن کے طور پر انتخاب کرتا ہے چنانچہ قابلِ توجہ احتمال دے رہا ہو کہ آئندہ دوبارہ رہنے کے لیے اپنے وطن واپس آئے گا تو اس صورت میں اعراض صدق نہیں کرے گا اس لیے جب بھی اس جگہ پر جائے اس کی نماز کامل ہے۔

قابلِ ذکر ہے وہ بچے جو وطن کے انتخاب اور اعراض کرنے میں خود فیصلہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے اور صاحب اختیار بھی نہیں ہیں اور عرفاً اپنے والدین یا ان میں سے کسی ایک کے تابع ہیں خواہ بالغ ہوں یا نابالغ ہوں۔ انتخابِ وطن اور وطن سے اعراض کے مسئلے میں والدین کے تابع ہوں گے اس صورت کے علاوہ خود ان کا فیصلہ وطن کے انتخاب اور اعراض کے لیے معیار ہو گا[1]۔

رہبر انقلاب اسلامی آیت اللہ خامنہ ای اس سلسلے میں فرماتے ہیں: وطن چھوڑنے سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنے وطن سے اس قصد سے نکلے کہ اب دوبارہ اس میں نہیں پلٹے گا اسی طرح اگر اسے اپنے نہ پلٹنے کا علم یا اطمینان ہو، اور عورت کے صرف دوسرے شہر میں شوہر کے گھر جانے کا لازمہ یہ نہیں ہے کہ اس نے اپنے اصلی وطن سے اعراض کر لیا ہے[2]۔

---

[1] آیت اللہ سیستانی، توضیح المسائل جامع، مسئلہ ۱۶۰۹

[2] رہبر معظم آیت اللہ خامنہ ای، استفتاآت، س ۶۹۴

ماہ ذی الحجہ کی مناسبتیں

۱۔ذی الحجۃ ازدواج حضرت علی وفاطمہ زہرا علیہما السلام

۳۔ذی الحجہ پیامبر اکرم ؐکا حجۃالوداع کے لئے مکہ میں وارد ہونا۱۰ ھق

۷۔ذی الحجہ شہادت امام باقر علیہ السلام ۱۱۴ھق

۸۔ذی الحجہ امام حسین علیہ السلام کا مکہ سے کربلا کی سمت روانگی۶۰ ھق

۹۔ذی الحجہ یوم عرفہ وشہادت حضرت مسلم بن عقیل وہانی بن عروہ۶۰ ھق

۱۰۔ذی الحجۃ عید سعید قربان

۱۵۔ذی الحجۃ ولادت حضرت امام علی نقی علیہ السلام ۲۱۲

۱۸ ۔ذی الحجۃ عید غدیر ۱۰ ھق

۲۰۔ذی الحجۃ ولادت امام موسی کاظم علیہ السلام ۱۲۸ھ ق

۲۳۔ذی الحجۃ شہادت میثم تمار رضوان اللہ علیہ ۶۰ھ ق

۲۴۔ذی الحجۃ عید مباہلہ ۱۰ھ ق

۲۶۔ذی الحجۃ واقعہ حرہ

۲۹ذی الحجۃ وفات ابوذر غفاری رضوان اللہ تعالی علیہ

امام محمد باقر علیہ السلام کی نگاہ میں حقیقی شیعہ کی خصوصیات

صابرۃ الزہراء

اس سے قبل کہ ہم اس موضوع میں وارد ہوں، اسکے اصلی محور (شیعہ) کی Definition اور تعریف کو جان لینا بہتر ہوگا یعنی شیعہ کون ہیں؟
لغت میں لفظ شیعہ کے معنی ہیں: پیروکار، طرفدار، حامی، فرقہ، حزب، گروہ،، دوست، ہمراہ، ہمکار، ساتھی، فروغ بخشنے والا وغیرہ[1]۔ اور اصطلاح میں شیعہ وہ مسلمان ہے جو امیر المومنین علی علیہ السلام کی امامت و خلافت بلافصل کا قائل ہے اور آپکی امامت نص خفی اور نص جلی سے ثابت ہے اور یہ امامت آپکا اور آپکے معصوم بیٹوں کا حق ہے[2]۔

تاریخ میں ایسے گروہ بھی نظر آئے جنھوں نے شیعہ ہونے کا دعوی کیا جب کہ اہل بیت علیہم السلام سے انکا کوئی رابطہ نہیں تھا، انکے عقائد اہل بیت علیہم السلام کے عقائد سے جدا تھے۔ ایسے ماحول میں ضروری تھا کہ حقیقی شیعہ کو مصنوعی شیعہ سے جدا کیا جائے، اسی لئے مختلف مقامات پر آئمہ علیہم السلام نے اپنے ارشادات کے ذریعہ لوگوں کو حقیقی شیعہ کے صفات سے آگاہ فرمایا۔ جن لوگوں نے فرامین آئمہ علیہم السلام پر توجہ کی اور اپنی زندگی میں اس پر عمل کیا وہ کامیاب ہوے اور جنھوں نے ان کو نظرانداز کیا وہ گمراہ ہوگئے۔ اب کمال اور سعادت تک پہنچنے کے لیے شیعوں کو چاہیے کہ وہ اپنے آئمہ علیہم السلام کے سچے پیروکار ہوں، اپنے آپ کو معصومین علیہم السلام کی سیرت میں ڈھالنے کو شش کریں اور اخلاقی فضائل سیکھنے میں ان کی خصوصیات سے قریب ہونے کی کوشش کریں۔

ہم اس مختصر تحریر میں امام باقر علیہ السلام کی نگاہ میں حقیقی شیعہ کی پہچان بیان کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے اپنے میسر نامی ساتھی سے فرمایا: میسر، کیا میں تم کو اپنے شیعوں کا تعارف کراؤں؟ انھوں نے کہا: میری جان آپ پر قربان ہوجائے جی ان کی پہچان کرائیے۔

حضرتؑ نے فرمایا: إِنَّهُمْ حُصُونٌ حَصِينَةٌ و صُدُورٌ أَمِينَةٌ وَ أَحْلَامٌ وَزِينَةٌ لَيْسُوا بِالْمَذَايِيعِ الْبَذِرِ وَلَا بِالْجُفَاتِ الْمُرَاءِينَ رُهْبَانٌ بِاللَّيلِ اسْدٌ بِالنَّهارِ۔

وہ (شیعہ) مضبوط قلعہ اور قابل اعتماد ثقہ اور مدبرانہ عقل کے مالک ہیں وہ افواہیں نہیں پھیلاتے اور راز فاش نہیں کرتے، اور وہ نہ تو خشک ہیں نہ ہی سخت اور نہ ہی ریاکار، دن میں شیر اور رات میں شب زندہ دار ہیں[3]۔

یہ ایک مختصر حدیث ہے جس میں شیعوں کے چند صفات اور انکی ذمہ داریاں بیان کی گیں ہیں۔

پہلی صفت: حقیقی شیعہ ایک مضبوط قلعہ ہیں۔

---

[1] قاموس المحیط، فیروزآبادی، ص ۷۱۲

[2] راغب، المفردات، ص ۲۷۱

[3] بحار الانوار، ج ۶۴، ص ۱۸۰

اس کا مطلب یہ ہے کہ اہل بیت علیہم السلام کا حقیقی شیعہ کبھی غفلت میں نہیں رہتا بلکہ خود پر ہونے والے ہر حملے سے آگاہ ہوتا ہے اور نہ صرف آگاہ ہوتا ہے بلکہ دفاع کے انتظامات مہیار کھتا ہے۔

حقیقی شیعہ وہ ہے جو دشمن کے پروپیگنڈوں سے ہوشیار ہو۔ اب جب کہ دنیا کی ثقافتی صورتحال ہماری نوجوان نسل کو روز بروز بربادی کی حد تک خطرے میں ڈال رہی ہے تو کیا ہم نے اپنے نوجوانوں کو ثقافتی اور عقیدتی طور سے مضبوط کرنے کا کوئی راستہ تلاش کیا ہے؟ اگر ہم اب تک ان کو تہذیبی اور اعتقادی خطرات کے مقابل محکم اور مضبوط نہیں کر سکے تو اس سے قبل کہ یہ نسل تباہ ہو جائے، خود کو اور ان کو مضبوط کرنا ہوگا اور اگر شیعیت کے دائرہ میں رہنا ہے تو دشمن شناس بننا پڑے گا تاکہ ہم پر ہونے والے ہر حملے کا منہ توڑ جواب دے سکیں۔

دوسری، تیسری اور چوتھی صفت: امانتداری، رازداری، عاقلانہ تدبیر ہے۔

آئمہ معصومین علیہم السلام کی اپنے زمانے کے بعض شیعوں سے یہ شکایت رہی کہ وہ ان کے راز فاش کر رہے ہیں۔

راز کا مطلب یہ تھا کہ وہ مقام جو آئمہ علیہم السلام کے پاس تھے، جیسے امام کا علم غیب رکھنا، قیامت کے دن شفاعت کرنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کی امانتداری کرنا، شیعوں کے اعمال سے آگاہ ہونا اور معجزات وکرامات وغیرہ، ایسے مسائل تھے جن کو عام لوگ اور مخالفین سمجھ نہیں پاتے تھے لیکن بعض نادان اور کم عقل شیعہ ایسے تھے کہ جہاں بھی بیٹھے سب کچھ کہہ دیا جس سے اختلاف اور دشمنی پیدا ہو جاتی تھی۔ اسی لئے امام علیہ السلام نے فرمایا کہ ہمارے شیعہ امانت دار ہیں، وہ غیر ضروری موقعہ پر ہمارے اسرار ظاہر نہیں کرتے، اور لوگوں کے درمیان اختلاف پیدا نہیں کرتے۔

پانچویں صفت: محبت اور نرمی

حقیقت میں شیعہ پیار و محبت کرنے والے اور نرم مزاج ہوتے ہیں جنکا ظلم و تشدد سے کوئی رابطہ نہیں ہے۔ شیعوں کے پاس علیؑ ابن ابی طالب علیہ السلام اور آئمہ معصومین علیہم السلام جیسی شخصیات ہیں جو اپنے دشمنوں کے ساتھ بھی نرمی سے پیش آتے تھے۔

چھٹی اور ساتویں صفت: شجاعت و شب زندہ داری

شیعہ زندہ دلی اور بہادری کے ساتھ ساتھ شب زندہ دار ہیں اور منافقت سے دور ہیں۔ انہوں نے دو مختلف حالتوں کو ایک ساتھ جمع کر رکھا ہے، اگر کوئی ان کی رات کی عبادت کو دیکھے تو کہے گا کہ یہ وقت کے زاہد ہیں اور زندگی کے معاملات میں کمزور ہیں، لیکن جب انکو دن میں دیکھتے ہیں تو وہ ایک شیر نر کی طرح ہر محاذ پر آگے آگے نظر آتے ہیں[1]۔

امام محمد باقر علیہ السلام اپنے شیعوں کو نصیحت فرماتے ہیں۔

صرف دعا کرنا اور باتیں بنانا اعزاز نہیں ہے اور نہ ہی یہ انسان کو بلندی تک پہنچاتا بلکہ وہ کلام جو عمل کے بعد ہو اور وہ کلام جو اچھے اعمال کا ذریعہ ہو، اہمیت رکھتا ہے۔ مثال کے طور پر شیعہ ہونے کا دعویٰ کرنا اور اہل بیت علیہم السلام سے محبت کی بات کرنا، اگر گناہوں کو چھوڑے بغیر اور عبادت و اطاعت کئے بغیر ہو تو بلاشبہ بے فائدہ ہے اور یہ دعوی ہم کو شیعیت کے زمرہ میں قرار نہیں دیگا۔ چنانچہ روایات میں ایسے

[1] مشکات ہدایت، مکارم شیرازی، ص ۱۶-۱۸

شخص کی مذمت اور ملامت کی گئی ہے کہ جو، کوئی بات کہتا ہے لیکن اس کے خلاف عمل کرتا ہے "أَبۡلِغۡ شِیعَتَنا أَنَّهُ لا یُنالُ ما عِنۡدَ اللّٰهِ إِلّا بِعَمَلٍ" ہمارے شیعوں تک یہ پیغام پہونچادو کہ وہ اللہ کے نزدیک نہیں پہونچ سکتے مگر عمل کے ذریعہ، یعنی عمل کے بغیر اللہ تک شیعوں کی رسائی ممکن نہیں ہے۔ امام باقر علیہ السلام کی یہ حدیث ان لوگوں کے لئے ہے جو یہ تصور کرتے ہیں کہ فقط نام شیعہ اور محبت اہل بیت علیہم السلام کے ذریعہ اللہ کے نزدیک بالاترین مقام حاصل کیا جاسکتا ہے، در حقیقت وہ یہ نہیں جانتے کہ اسلام کی اساس و بنیاد عمل پر ہے اور وہی شیعہ واقعی ہیں جو دعوی محبت کے ساتھ ساتھ عمل بھی کرتے ہیں۔

تقوا اور ورع شیعت کی ایک خاص پہچان

عَنۡ أَبِي جَعۡفَرٍ عَلَيۡهِ السَّلَامُ قَالَ: قَالَ لِي: ابو جعفر امام باقر علیہ السلام نے فرمایا یا جَابِرُ أَيَكۡتَفِي مَنۡ يَنۡتَحِلُ اَلتَّشَيُّعَ أَنۡ يَقُولَ بِحُبِّنَا أَهۡلَ اَلۡبَيۡتِ: اے جابر جو اپنے آپ کو ہمارے شیعوں میں سے سمجھتا ہے، کیا اس کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ خود کو ہم اہل بیت کا دوست قرار دے؟

فَوَ اَللّٰهِ مَا شِيعَتُنَا إِلاَّ مَنِ اِتَّقَى اَللّٰهَ وَ أَطَاعَهُ وَ مَا كَانُوا يُعۡرَفُونَ يَا جَابِرُ إِلاَّ بِالتَّوَاضُعِ وَ اَلتَّخَشُّعِ وَ اَلۡأَمَانَةِ وَ كَثۡرَةِ ذِكۡرِ اَللّٰهِ وَ اَلصَّوۡمِ وَ اَلصَّلاَةِ وَ اَلۡبِرِّ بِالۡوَالِدَيۡنِ وَ اَلتَّعَهُّدِ لِلۡجِيرَانِ مِنَ اَلۡفُقَرَاءِ وَ أَهۡلِ اَلۡمَسۡكَنَةِ وَ اَلۡغَارِمِينَ وَ اَلۡأَيۡتَامِ وَ صِدۡقِ اَلۡحَدِيثِ وَ تِلاَوَةِ اَلۡقُرۡآنِ وَ كَفِّ اَلۡأَلۡسُنِ عَنِ اَلنَّاسِ إِلاَّ مِنۡ خَيۡرٍ وَ كَانُوا أُمَنَاءَ عَشَائِرِهِمۡ فِي اَلۡأَشۡيَاءِ

خدا کی قسم وہ ہمارا شیعہ نہیں ہے مگر یہ کہ وہ خدا سے ڈرے، اسکے بتائے ہوے فرامین پر عمل کرے، اور وہ پہچانے نہیں جاتے مگر عاجزی، تواضع، خوف الٰہی، امانتداری، کثرت ذکر، روزہ، نماز، والدین کے ساتھ حسن سلوک، مساکین، فقیر و تنگدست پڑوسیوں، قرض داروں اور یتیموں کا خیال رکھنا، سچ بولنا، قرآن کی تلاوت کرنا، لوگوں سے کم باتیں کرنا مگر خیر و نصیحت (امر بالمعروف و نہی عن المنکر) اور اپنے رشتہ داروں میں امانتدار ہونے سے [1]۔

امام محمد باقر علیہ السلام اپنے خاص ساتھیوں میں سے ایک جابر بن یزید جعفی کو نصیحت فرماتے ہیں۔ کہ ہمارے نزدیک شیعوں کی خصوصیات میں سے ایک خاصیت ظلم سے بچنا ہے۔ اگر کوئی آپ پر ظلم کرتا ہے تو آپ اس پر ظلم نہ کریں۔ ظلم انصاف کے برعکس ہے اور اس کا مطلب حد سے تجاوز کرنا ہے۔ شیعوں کا فرض ہے کہ وہ لوگوں کے حقوق کا احترام کریں اور ان کے حقوق کو غصب نہ کریں۔ ظلم کا سرچشمہ کبھی جہالت اور دنیا و آخرت کی سعادت سے بے نیازی ہے اور کبھی دنیا سے لگاؤ دوسروں کے حقوق کی پاسداری سے روکتا ہے اور یہ دونوں حقیقی مومنین اور شیعوں کے دائرہ سے دور ہیں۔

يَا جَابِرُ أُوصِيكَ بِخَمۡسٍ إِنۡ ظُلِمۡتَ فَلَا تَظۡلِمۡ وَإِنۡ خَانُوكَ فَلَا تَخُنۡ وَإِنۡ كُذِّبۡتَ فَلَا تَغۡضَبۡ وَإِنۡ مُدِحۡتَ فَلَا تَفۡرَحۡ وَإِنۡ ذُمِمۡتَ فَلَا تَجۡزَعۡ، یا فَلَا تحزن [2]

---

[1] بحار الانوار، ج ۶۷، ص ۹۷

[2] تحف العقول، ص ۲۸۴.

اے جابر، میں تمہیں پانچ چیزوں کی سفارش کرتاہوں: اگر وہ تم پر ظلم کریں تو ان پر ظلم نہ کرو، اور اگر وہ تم سے خیانت کرتے ہیں تو ان کے ساتھ خیانت نہ کرو، اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو غصہ نہ کریں، اور خوش نہ ہوں اگر وہ آپ کی تعریف کریں اور اگر آپ کو تنقید کا نشانہ بنایا جائے تو گھبرائیں نہیں یا اداس مت ہو۔

شیعوں کے لیے امام باقر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

مروا شيعتنا بزيارة قبر الحسين بن علي عليهما السلام فإن إتيانه يزيد في الرزق، ويمد في العمر، ويدفع مدافع السوء[1].

ہمارے شیعوں کو امام حسین بن علی علیہ السلام کی قبر کی زیارت کرنے کا حکم دو، کیونکہ ان کی زیارت کرنے سے رزق میں اور عمر میں اضافہ ہوتا ہے اور یہ زیارت انسان کو برائیوں سے محفوظ رکھتی ہے۔

آخر میں یہ عرض کرنا چاہتے کہ ہم نے دعوی شیعت کو بہت سادہ سمجھا ہے جبکہ اھل بیت علیہم السلام کا شیعہ ہونا ہماری ذمہ داریاں بڑھا دیتا ہے، ہر شیعہ کو ان خصوصیات کا حامل ہونا چاہئے جنکی آئمہ علیہم السلام نے تعلیم فرمائی ہے تاکہ جب کوئی اس سے ملاقات کرے تو اس کے کردار سے اھل بیت علیہم السلام کی بو آئے۔

خداوند عالم ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے

[1] گفتار معصومین ج ۲ ص ۱۸۳

دعائے عرفہ میں توحید کے جلوے

سید پیغمبر عباس بشر نوگانوی

اسلام کی اساس وہ عقائد ہیں جنھیں اصول دین کہا جاتا ہے، اور یہ توحید، عدل، نبوت، امامت اور قیامت ہیں، اور ان تمام عقائد کا دارومدار عقیدۂ توحید پر ہے، ایک مسلمان اسی وقت راسخ العقیدہ مسلمان ہوسکتا ہے جب اس کا عقیدۂ توحید مضبوط ہو اور انسان پر اسی وقت معرفت کے دروازے بھی کھلتے ہیں جب وہ توحید سے آشنا ہو جائے۔

توحید سے نہ صرف اصول دین بلکہ فروع دین بھی شکل پاتے ہیں اور آیت اللہ مکارم شیرازی کے بقول: توحید، اصول دین اور فروع دین کی روح ہے۔[1]

تمام انبیاء اور ائمہ علیہم السلام نے اسی مسئلۂ توحید کو اپنی تبلیغ کا محور قرار دیا ہے اور جتنی بھی جانفشانیاں، زحمتیں برداشت کیں اور قربانیاں پیش کی وہ اسی توحید کی خاطر تھیں، خداوند عالم نے بھی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تبلیغ کا خلاصہ اسی توحید میں کیا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ إِنَّمَا يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَهَلْ أَنتُم مُّسْلِمُونَ[2]

آپ کہہ دیجئے کہ ہماری طرف صرف یہ وحی آتی ہے کہ تمہارا خدا ایک ہے تو کیا تم اسلام لانے والے ہو

ائمہ علیہم السلام نے بھی اپنے زمانے کے حالات کے مطابق اسی عقیدۂ توحید اور اس کی تبلیغ پر توجہ مرکوز فرمائی، ائمہ علیہم السلام کے خطبے، نصیحتیں، دعائیں اور مناجاتیں گواہ ہیں کہ آپؑ نے اس مسئلہ کو کتنی اہمیت دی ہے۔

بنی امیہ کے زمانے میں شہنشاہیت کی داغ بیل پڑ چکی تھی، شہنشاہی نظام میں بادشاہ سلامت ہی سب کچھ ہوتا ہے اور رعایا کو یہ باور کرایا جاتا ہے کہ ان کی حیات بھی بادشاہ کے مرہون منت ہے، جس سے عقیدۂ توحید پر ضرب لگتی ہے، ایسا ہی کچھ بنی امیہ کے زمانے میں ہو رہا تھا، امام حسین علیہ السلام کا زمانہ تھا، حالات کا تقاضا تھا کہ مسلمانوں کو عقیدۂ توحید کی تعلیم دی جائے۔

عرفات کے میدان میں مسلمانوں کا اجتماع تھا جن کی اکثریت یزید جیسے کو اپنا حاکم و سرپرست تسلیم کر چکی تھی اور یزید غرور و نخوت کے عالم میں اپنے آپ کو مسلمانوں کا ناخدا سمجھ رہا تھا ان حالات میں امام حسین علیہ السلام نے ہمیں جو دعا تعلیم فرمائی اُس میں جابجا توحید کے جلوے نظر آتے ہیں۔

امام حسین علیہ السلام نے اس دعا کے ذریعہ ہمیں درس دیا کہ خداوند عالم کی بارگاہ میں جب بھی دعا کی جائے تو اس کی حمد و ثنا کے ساتھ اس کی توحیدی صفات کو بھی بیان کیا جائے۔

---

[1] اعتقاد ما، آیت اللہ مکارم شیرازی، صفحہ ۱۹، مطبوعہ قم

[2] سورۂ انبیاء آیت ۱۰۸

اقسام توحید میں ایک قسم توحید مالکیت کی ہے جس کا مطلب ہے کہ اس کائنات میں جو کچھ بھی ہے وہ خداوند عالم کا ہے، لیکن بنی امیہ مسلمانوں کے امور کو اپنے ہاتھ میں لے کر سب کچھ اپنا سمجھ رہے تھے جس کی وجہ سے اسلامی معاشرے میں توحید مالکیت کا عقیدہ کمزور ہو رہا تھا، اور توحید کی اقسام میں سے کوئی قسم کمزور ہو جائے تو عقیدۂ توحید نامکمل رہتا ہے، اس لئے توحید کی تمام اقسام پر راسخ عقیدہ ہونا چاہئے، امام علیہ السلام کی اس دعا میں جسے دعائے عرفہ بھی کہتے ہیں توحید کی تمام اقسام پر تاکید نظر آتی ہے۔

امام علیہ السلام نے انسان کی خلقت سے لے کر اور اس کی نشو ونما، نعمتوں کا حصول، نعمتوں سے استفادہ، دنیا اور اس کے امور غرض زندگی کے تمام شعبوں میں انسان کو خدا کا محتاج قرار دیا ہے، ہمارے تمام امور کا مالک خداوند عالم ہے اور وہی کائنات کے تمام کاموں کو انجام دیتا ہے۔ توحید کی ایک قسم توحید ذاتی ہے جو تمام انبیاء و ائمہ نے اپنی تبلیغ میں سب سے زیادہ اسی پر تاکید فرمائی ہے، توحید ذات کا مطلب یہ ہے کہ خداوند عالم کی ذات میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہے اور اس کی ذات و صفات ایک ہی ہیں۔

امام علیہ السلام فرماتے ہیں: فَلَا إِلٰهَ غَيْرُهُ، وَلَا شَيْءَ يَعْدِلُهُ، وَلَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ[1]

...اُس کے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے اور کوئی اس کا نظیر نہیں ہے اس کے مثل کوئی نہیں ہے۔۔۔

دعا کے اس فقرے میں شرک کی نفی کی گئی ہے، شرک ایسا گناہ ہے جسے خداوند عالم معاف نہیں کرے گا، جب کہ اگر وہ چاہے گا تو اس کے علاوہ گناہوں کو معاف کر دے گا، قرآن مجید میں ارشاد پروردگار ہے:

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ ۚ وَمَن يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا[2]

اللہ اس بات کو معاف نہیں کر سکتا کہ اس کا شریک قرار دیا جائے اور اس کے علاوہ جس کو چاہے بخش سکتا ہے اور جو بھی اس کا شریک بنائے گا اس نے بہت بڑا گناہ کیا ہے۔

اسی طرح توحید کی اقسام میں ایک قسم توحید حاکمیت ہے، توحید حاکمیت یعنی قانون صرف خدا کا ہے اور وہی ہمارا حاکم ہے، توحید کی اس قسم کا انکار کرنے والا بھی اسی طرح کافر ہے جس طرح خدا کی ذات کا انکار کرنے والا!، قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ[3]

اور جو بھی ہمارے نازل کئے ہوئے قانون کے مطابق فیصلہ نہ کرے گا وہ سب کافر شمار ہوں گے

امام حسین علیہ السلام توحید حاکمیت کی طرف اس طرح اشارہ فرماتے ہیں:

وَأَقُولُ مُؤْمِناً مُوقِناً اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَداً فَيَكُونُ مَوْرُوثاً، وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي مُلْكِهِ فَيُضادَّهُ فِيمَا ابْتَدَعَ، وَلَا وَلِيٌّ مِنَ الذُّلِّ فَيُرْفِدَهُ فِيمَا صَنَعَ۔[4]

---

[1] دعائے عرفہ، مفاتیح الجنان، ترجمہ مولانا ناظم علی خیر آبادی، صفحہ ۴۷۵، ناشر انصاریان پبلیکیشنز قم

[2] سورۂ نساء، آیت ۴۸، ترجمہ علامہ جوادی مرحوم

[3] سورۂ مائدہ، آیت ۴۴

[4] دعائے عرفہ، مفاتیح الجنان، صفحہ ۴۷۹

۔۔۔اور ایمان ویقین کے ساتھ کہتاہوں حمد اس خدا کے لئے ہے جس کا کوئی فرزند نہیں ہے کہ جو وارث ہوجائے اور اس کی بادشاہت میں کوئی شریک نہیں ہے کہ اس کی مخالفت کرے اس میں جو اس نے پیدا کیا ہے اور نہ کوئی والی ہے جو اس کی صنعت میں اس کی مدد کرے۔۔۔

امام علیہ السلام نے دعا کے ان فقروں میں ایک ساتھ توحید ذاتی اور توحید حاکمیت کو بیان فرمایا ہے، ایسی فصاحت و بلاغت کلام معصوم ہی میں پائی جاتی ہے جو مناجات کے لطف کو دوبالا کردیتی ہے۔

توحید خدا کے سلسلے میں عقلی اور نقلی دلیلیں کافی مقدار میں پائی جاتی ہیں، نقلی (قرآن وروایات میں موجود) دلیلوں سے غیر مسلم مطمئن نہیں ہوتے کیونکہ ان کا عقیدہ کتاب وسنت پر نہیں ہوتا ہے، لیکن عقلی دلیلوں کے مقابلہ میں انہیں سر تسلیم خم کرنا پڑتا ہے۔

اپنی اس دعا میں امام حسین علیہ السلام قرآن مجید کی آیت سے استنباط کرتے ہوئے توحید خدا پر اس طرح دلیل عقلی تعلیم فرماتے ہیں کہ:

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا وَتَفَطَّرَتَا![1]

اگر آسمان وزمین میں خدا کے علاوہ خدا ہوتے تو دونوں فاسد ہوجاتے اور ٹکرا جاتے۔

اس سے استدلال کرسکتے ہیں کہ اگر دو خدا ہوتے تو افعال کو لے کر دونوں ٹکراتے، مثال کے طور پر ایک کہتا کہ بارش ہوگی، دوسرا کہتا کہ نہیں، مطلع صاف ہونا چاہئے، اور اس طرح دنیا تباہ وبرباد ہوجاتی اور اگر نہ ٹکراتے اور پیار و محبت سے رہتے تو ایک دوسرے کے مشورے کے محتاج ہوتے، اور جو محتاج ہو وہ خدا نہیں ہوسکتا، لہٰذا خدا ایک ہے۔

ہر زمانے میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان تثلیث کا مسئلہ زیر بحث رہا ہے، مسلمانوں کے پاس قرآن وسنت کی روشنی میں قوی دلیلیں رہی ہیں جن کے ذریعہ تثلیث کی نفی کرتے رہے ہیں، دعائے عرفہ میں امام حسین علیہ السلام کے ذریعہ کی گئی اللہ تعالی کی یہ تسبیح عقیدۂ تثلیث کی ردّ میں بہترین دلیل ہے

آپؑ فرماتے ہیں کہ: سُبْحَانَ اللهِ الْوَاحِدِ الْأَحَدِ الصَّمَدِ الَّذِي لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُواً أَحَدٌ!...[2]

پاک ہے وہ خدا جو اکیلا ہے، بے نیاز ہے، جو نہ پیدا ہوا ہے نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور اس کا کوئی ہمسر بھی نہیں ہے...

توحید کی ایک اہم قسم توحید مالکیت ہے، جو ہمیں بتاتی ہے کہ پوری کائنات اور تمام مخلوقات کے امور کا مالک اللہ ہے، انسان کتنا بھی طاقتور کیوں نہ ہوجائے تب بھی اُس کا اور اس کے امور کا مالک خداوند عالم ہی ہے، اس طرف اشارہ کرتے ہوئے امام حسین علیہ السلام فرماتے ہیں:

وَأَنْتَ رَبِّي وَمَلِيكُ أَمْرِي[3] تو میرا رب ہے اور میرے امر کا مالک ہے

---

[1] سورۂ انبیاء، آیت ۲۲

[2] دعائے عرفہ، مفاتیح الجنان، صفحہ ۴۷۹

[3] دعائے عرفہ، مفاتیح الجنان، صفحہ ۴۷۹

[4] دعائے عرفہ، مفاتیح الجنان، صفحہ ۴۸۱

اللہ کی نہ کاپی ہوسکتی ہے اور نہ کوئی اس کے مثل ہوسکتا ہے کیونکہ یہ شرک ہے اور اللہ کی ذات وصفات شرک سے پاک ہے، اس طرح اشارہ کرتے ہوئے امام حسین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

يَا اللّٰهُ يَا اللّٰهُ يَا بَدِيءُ، يَا بَدِيعُ لَا نِدَّ لَكَ[1]

اے خدا، اے خدا، اے پیدا کرنے والے، اے ایجاد کرنے والے تیرا کوئی مثل نہیں ہے

دعا کے اس ایک فقرے میں توحید افعالی اور توحید ذاتی کی خوشبو محسوس ہوتی ہے۔

خداوندعالم کے ذکر اور تسبیح و تقدیس میں اخلاص پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے ساتھ ساتھ اُس کی توحید بھی بیان کی جائے، دعائے عرفہ میں امام حسین علیہ السلام اللہ کی تسبیح اور حمد کے ساتھ اس کی توحید کا ذکر بھی فرماتے ہیں اور اس کے بعد فرماتے ہیں کہ:

وَإِخْلَاصِي لِذِكْرِكَ مُوَحِّداً۔[2]

اور یہ میرا تیرے ذکر کا اخلاص مقام توحید میں ہے

غرض دعائے عرفہ خداوندعالم کی توحید سیکھنے کا ایسا مکمل نصاب ہے کہ اگر اسے توجہ سے پڑھ لیا جائے تو بندہ خالص موحد ہو جائے، اور پھر وہ کسی بھی ماحول میں اپنے عقیدۂ توحید کو محفوظ رکھ سکتا ہے۔

خداوندعالم کی بارگاہ میں دعا ہے کہ تمام مومنین کو اس دعا کے فیوض وبرکات اور تعلیمات سے مستفیض فرمائے آمین۔

---

[1] دعائے عرفہ، مفاتیح الجنان، صفحہ ۴۸۴

[2] دعائے عرفہ، مفاتیح الجنان، صفحہ ۴۸۸

مسلم ابن عقیل اور اخلاق اسلامی کا تحفظ

سید عمار رضا نقوی

تاریخ کے منظر نامے پر کبھی کبھی ایسی شخصیتیں جنم لیتی ہیں جن کی داستان جرئت و ہمت دلوں کو چھو لیتی ہے۔ حضرت مسلم بھی ایسے ہی ایک عظیم شجاع انسان تھے۔ وہ قبیلہ بنی ہاشم کے چشم و چراغ سردار بطحا، محافظ رسول حضرت ابو طالب کے پوتے، جناب عقیل کے بیٹے اور شیر خدا حضرت علی علیہ السلام کے داماد تھے۔ جناب مسلم نے اپنے باپ عقیل سے ورثہ میں حاضر جوابی، سخنوری اور قادر الکلامی پائی تو دادا ابو طالب سے شجاعت اور بہادری۔ آپ نے امام علیؑ اور حسنین کریمین علیہما السلام کی صحبت کیمیا اثر سے علمی و فکری کسب فیض کیا۔ آپ کی شجاعت و بہادری شہرہ آفاق تھی۔ حضرت امیرؑ نے جنگ صفین میں آپ کو میمنہ لشکر کا سردار مقرر کیا تھا۔

جناب مسلم کی عظمت اور کردار کی بلندی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ امام حسینؑ نے آپ کو کوفے والوں کے پاس اپنا سفیر بنا کر بھیجا اور ان کے بارے میں لکھا:

"انی باعث الیکم اخی وابن عمی و ثقتی من اهل بیتی مسلم ابن عقیل فاسمعوا و اطیعوا"

میں تمہاری طرف اپنے بھائی، چچا کے بیٹے اور اپنے اہل بیت میں سے اپنے بھروسے مند مسلم ابن عقیل کو بھیج رہا ہوں اس کی باتیں سنو اور اطاعت کرو۔

یقیناً یہ حضرت مسلمؑ کے کمال کردار اور شخصیت کی بلندی ہی کا نتیجہ تھا جو امام معصومؑ نے انہیں اپنا مورد اعتماد قرار دیا اور انہیں اپنا سفیر بنا کر بھیجا۔ سفیر کسی ملک کا ہو یا کسی شخصیت کا، اس کی فکر، عقائد اور اس کے اخلاقیات کی بھرپور نمائندگی کرتا ہے۔

سفیر کی اخلاقی ذمہ داری ہوتی ہے کہ اس سے کوئی ایسا فعل سرزد نہ ہو جو اس ملک یا اس شخصیت کے اخلاقیات سے متصادم ہو جس کی وہ نمائندگی کر رہا ہے۔

جناب مسلم امام حسین علیہ اسلام کے سفیر تھے جو مجسم اسلام اور قران ناطق تھے۔ آپ کی نمائندگی اور سفارت کا مطلب اسلام اور قرآن کی ترجمانی تھا جسے جناب مسلمؑ نے بڑی خوش اسلوبی سے نبھایا۔ سفارت کے آغاز سے شہادت تک آپ کا کردار اور آپ کے اقوال بول بول کر گواہی دے رہے تھے کہ مسلم حقیقی معنوں میں حسینؑ ابن علیؑ کے سفیر ہیں۔

یہاں ہم چند مناظر کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ جناب مسلم نے نامساعد حالات میں بھی کس طرح اخلاق اسلامی، تدین اور غیرت دینی کا تحفظ کیا ہے:

ا۔ دنیا کے دوسرے سیاسی نظاموں کے برعکس اسلام مقصد کی بلندی کے ساتھ ساتھ وسیلے کی طہارت اور پاکیزگی پر بھی زور دیتا ہے۔ دنیاوی سیاست میں عام طور سے یہ مقولہ رائج ہے کہ اگر مقصد بلند ہے تو اس کے حصول کے لئے کسی بھی وسیلے سے کام لیا جاسکتا ہے۔ اس فکر کے حامل سیاست داں اور حکمراں کہتے ہیں کہ ہمارا مقصد اپنے ملک کے مفاد کا تحفظ کرنا اور اپنے عوام کی زندگی کو آسان بنانا ہے۔ اس مقصد کے لئے مکر، فریب، دوسرے ملکوں پر ناجائز حملہ سب روا ہے۔ اسلام اس فکر کو سختی سے مسترد کرتا ہے۔ عملی طور پر بھی راہنمایان اسلام اس

اصول پر کاربند رہیں۔ تاریخ اسلام کا مطالعہ کیجئے تو کوئی ایک مثال نہیں ملتی جہاں اسلام کے حقیقی وارثوں نے کسی مقصد کے حصول کے لئے ناجائز وسیلہ کا استعمال کیا ہو۔ جناب مسلم ابن عقیلؑ نے بھی اس اصول کی بھرپوری پاسداری کی۔ چنانچہ مورخین لکھتے ہیں جب ابن زیاد کی تقریر کے بعد کوفہ کے حالات دگرگوں ہوئے تو جناب مسلم نے مغرب کی نماز کے بعد مختار کے گھر کو خیرباد کہا اور ہانی ابن عروہ کے ہاں پناہ لے لی۔ وہاں شریک ابن عبد اللہ اعور حارثی بھی تھے شریک بیمار تھے۔ ابن زیاد ان کی عیادت کے لئے آنے والا تھا۔ شریک نے مسلم کے سامنے تجویز رکھی کہ آپ چھپ جائیں اور جب ابن زیاد آئے تو اسے دھوکے سے قتل کر دے۔ ابن زیاد آیا۔ شریک نے کئی بار اشارہ کیا مگر جناب مسلم ابن زیاد کو قتل کرنے کے لئے باہر نہیں نکلے۔ ابن زیاد کے جانے کے بعد جب شریک نے وجہ پوچھی تو مسلم نے جو جواب دیا وہ اسلامی تاریخ کی پیشانی پر جھومر کی طرح چمکتا رہے گا۔

آپ نے فرمایا:

اولاً ہانی کی زوجہ نے مجھے قسم دی تھی کہ میں ابن زیاد کو اس کے گھر پر قتل نہ کروں۔

ثانیاً میرا تعلق ایک ایسے خاندان سے ہے جو مکاری اور فریب کاری کو پسند نہیں کرتا

ثالثاً مجھے یاد ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا: "الایمان قید الفتك" ایمان، دھوکا دے کر حملہ کرنے میں رکاوٹ ہے اس طرح مسلم نے زوجہ ہانی سے کئے اپنے وعدہ کو بھی وفا کیا، اپنی خاندانی شرافت کا بھی تحفظ کیا اور حدیث رسول پر بھی عمل کیا۔

۲۔ اگر آپ کسی کے ہاں مہمان ہوئے ہیں تو آپ کا اخلاقی فریضہ ہے کہ کوئی ایسا کام نہ ہونے پائے جس سے اس گھر کی یا میزبان کی حرمت شکنی ہو۔ جب جناب مسلم طوعہ کے مکان پر مصلے پر عبادت الٰہی میں مصروف تھے اور گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز آنے لگی تو مسلم مصلے سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ کہا طوعہ! دروازہ کھول دے۔ اس نے کہا کیا ارادہ ہے؟ فرمایا ایسا لگتا ہے کہ ابن زیاد کا لشکر آرہا ہے میری غیرت گوارا نہیں کرتی کہ نامحرم تیرے گھر میں داخل ہو جائیں۔

اس طرح مسلم نے اتنے نازک وقت میں بھی اپنے میزبان کی حرمت کا تحفظ کر کے دنیا کو پیغام دیا کہ ہمیں جان دینا گوارا ہے مگر کسی حالت میں بھی دین و اخلاق کا دامن چھوڑنا گوارا نہیں ہے۔

۳۔ مسلم ایک نہایت بہادر انسان تھے۔ آپ نے بڑی جانبازی اور بہادری سے ابن زیاد کی فوج کا مقابلہ کیا۔ یہاں تک کہ انہیں گرفتار کرنے کے لئے دشمن کو مکر سے کام لینا پڑا۔ یہاں سے دنیا فیصلہ کر سکتی ہے کہ اسلام کا حقیقی نمائندہ کون ہے۔ مسلم جس نے دھوکے سے ابن زیاد کو قتل کرنا گوارا نہیں کیا یا ابن زیاد جس کی فوج نے انہیں دھوکا دے کر گرفتار کیا۔ اس کے بعد جب انہیں دربار میں پیش کیا گیا تو مسلم نے پوری جرات وہمت کی تاریخ رقم کرتے ہوئے ابن زیاد کو سلام کرنے سے انکار کر دیا۔ جب کسی نے پوچھا کہ امیر کو سلام کیوں نہیں کیا تو جواب دیا۔ ''میرا حسینؑ کے سوا کوئی امیر نہیں ہے''۔ اس طرح مسلم نے سفارت قبول کر کے عملی طور پر امام حسینؑ سے وفاداری کو جو عہد کیا تھا اسے پورا کر دیا۔

۴۔ موت برحق ہے۔ جو اس دنیا میں آیا ہے اسے ایک نہ ایک دن بہر حال موت کو گلے لگانا ہے۔ موت سے کسی کو مفر نہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ انسان جب اس دنیا سے جائے تو اس حال میں جائے کہ اس کے اوپر کسی کا کوئی حق باقی نہیں رہے۔ حتی الامکان حقوق خدا بھی ادا کرے اور حقوق الناس بھی۔ کسی سے قرض لے رکھا ہو تو اسے ادا کرے یا ادا کرنے کی وصیت کر کے جائے۔

ارباب مقاتل لکھتے ہیں کہ جب ابن زیاد نے جناب مسلم کو پشت بام پر لے جا کر قتل کرنے کا حکم صادر کر دیا تو انھوں نے وہاں پر موجود عمر سعد سے وصیت کی کہ میں نے فلاں شخص سے ۷۰۰ درہم قرض لیا تھا۔ میری زرہ وغیرہ فروخت کر کے یہ قرض ادا کر دینا۔

اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ جناب مسلم نے امام وقت فرزند رسول امام حسین علیہ السلام کی نمائندگی کا حق ادا کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ آپ نے شجاعت و بہادری، غیرت ایمانی اور جوانمردی اور اخلاق اسلامی کا جس انداز میں تحفظ کیا اس سے ایک طرف آپ کے کمال کردار کا مظاہرہ ہوا تو دوسری طرف یہ بات ثابت ہو گئی کہ معرکہ کربلا میں اسلام کا حقیقی نمائندہ کون تھا۔

مسلم ابن عقیل کی داستان عزیمت ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ دشوار گھڑی میں بھی ہمیں اپنے اصولوں پر قائم رہنا چاہئے۔ ہمارے اندر حق بیانی، حق پرستی کا جذبہ ہونا چاہئے اور ہمیں ظلم کے سامنے سپر انداختہ نہیں ہونا چاہئے۔ ایمان کا تقاضا ہے کہ مقصد کتنا ہی بلند ہو کسی بھی حالت میں ناجائز وسیلے سے کام نہ لیا جائے۔ مکر، فریب اور دھوکے کی اسلام اور ایمان کی دنیا میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔

آخر میں دعا ہے کہ خدا ہم سب کو اسلام کے حقیقی وارثوں کو نمونہ عمل بنانے اور ان کی سیرت پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

عید قربان اور اس کے اسرار و رموز

تحریر: ظہور مہدی مولائی، حوزہ علمیہ قم، ایران۔

دس ذوالحجۃ الحرام کا دن اہل اسلام و ایمان کے درمیان عید الاضحیٰ اور عید قربان کے نام سے معروف ہے اور عید فطر کی طرح یہ عید بھی مسلمانوں کے نزدیک بہت عظمت و اہمیت کی حامل ہے۔

عید فطر اور عید قربان کو عید کیوں قرار دیا گیا ہے، اس سلسلہ میں ہمارے استاد بزرگوار آیت اللہ العظمی عبد اللہ جوادی آملی حفظہ اللہ نے اس طرح اظہار سخن فرمایا ہے:

اہم ترین نکتہ اسلامی عیدوں میں یہ ہے کہ اسلام نے اپنی حق محوری کی وجہ سے کسی شخص کے روز ولادت یعنی سرکار رسالتمآب یا ائمہ علیہم السلام کے ایام میلاد کو عید قرار نہیں دیا ہے، اگرچہ ان دنوں میں بھی ہم خوشی مناتے اور نئے کپڑے پہنتے ہیں لیکن یہ دن ہماری "دینی و قانونی عید" کی حیثیت نہیں رکھتے، چونکہ عید اس دن کو قرار دیا گیا ہے جس دن لوگ مأمور ہوتے ہیں کہ ستون دین کو مل جل کر قائم کریں (سب جمع ہو کر نماز عید فطر یا نماز عید قربان پڑھیں)

دوسری بات یہ ہے کہ روز غدیر اور روز جمعہ کی طرح ان دو دنوں کو عید اس وجہ سے قرار دیا گیا ہے (کہ کسی دن کے عید قرار پانے کا قاعدہ یہ ہے کہ اس دن) انسان کے سپرد کوئی (اہم) مسئولیت (ذمہ داری) کی جائے اور وہ اسے کامیابی کے ساتھ ادا کر دے تو اس صورت میں وہ اپنی اصل و فطرت کی طرف پلٹ آتا ہے اور اسی اپنی اصل و فطرت کی طرف عود و واپسی کا نام عید ہے۔[1]

دس ذوالحجۃ الحرام کو چونکہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے انتہائی کٹھن الٰہی مسئولیت و ماموریت کو نہایت کامیابی و سرخروئی کے ساتھ انجام دیا تھا اور ان کی پیروی کرتے ہوئے ہر حاجی چونکہ موسم حج میں اپنی نفسانی خواہشات کو کچل کر بہت سے اہم الٰہی و دینی اعمال و مناسک انجام دیتا ہے، اور اس طرح ایک بار پھر وہ اپنی پاکیزہ اصل و فطرت اور الٰہی قرب و سمت کی طرف پلٹ آتا ہے، اس لئے اس دن کو "عید قربان" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

عید قربان کے اسرار و رموز:

عید قربان وہ عظیم الشان عید ہے کہ جس کے اندر بہت سے باعظمت اور سبق آموز اسرار و رموز پائے جاتے ہیں، جن میں سے چند ہم یہاں بیان کر رہے ہیں:

۱۔ قوت ایمان و اعتقاد:

عید قربان باقاعدہ ہمیں اس عظیم درس و راز کی طرف متوجہ کرتی ہے کہ اپنے سید و آقا اور خالق و مالک پر مکمل اور پختہ ایمان و اعتقاد انسان کو اس قدر قوی و طاقتور بنا دیتا ہے کہ وہ اس کے ایک اشارہ پر اپنی اور اپنے اقارب و متعلقین کی ہستی فنا کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

[1] خبر آن لائن https://khabaronline.ir/x۴Jp۴

یہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے ایمان و اعتقاد کی قوت و طاقت ہی تو تھی کہ بوڑھا باپ ۹۵ سال کی عمر میں ایک الٰہی خواب کو جامہ عمل پہنانے کے لئے اپنے نوخیز اور نہایت حسین و جمیل بیٹے کی گردن پر بے جھجک چھری چلانے پر تیار ہوجاتا ہے اور عین عنفوان شباب میں بیٹا بصد فخر و خوشی اپنے کو "قربانگاہ منیٰ" میں ذبح ہونے کے لئے لٹا دیتا ہے۔

۲۔ نفس امارہ کا قتل :

عید قربان میں انجام دیا جانے والا ایک اہم عمل حلال گوشت "حیوان" کا ذبح کرنا ہے اور یہ در حقیقت اپنے اندر چھپے ہوئے حیوان و جانور "نفس امارہ" کو مار ڈالنے کی طرف ایک بلیغ و عظیم اشارہ ہے، چونکہ یہ نفس ہمیشہ ہمیں گمراہ کرنے کی تگ و دو میں لگا رہتا ہے جیسا کہ قرآن حکیم نے بھی فرمایا ہے:

"ان النفس لامارۃ بالسوء ۔۔۔"[1] اور یہی خبیث نفس ہمارا سب سے بڑا دشمن ہے چنانچہ حدیث نبوی میں آیا ہے:

"اعدی عدوك نفسك التی بین جنبیك"[2]

حق یہ ہے کہ حلال گوشت جانور کی اس قربانی میں یہ رمز و راز اور سبق پوشیدہ ہے کہ جب انسان حکم خدا سے ایک حلال اور مفید و بے ضرر جانور کے گلے پر آسانی سے چھری چلا رہا ہے تو پھر اسے انتہائی مضر، موذی اور مضل حیوان "نفس امارہ" کو قتل کرتے ہوئے بدرجہ اولی نہیں گھبرانا چاہیئے، بلکہ اسے اپنا نہایت خطرناک دشمن سمجھ کر حاکم مطلق "اللہ رب العالمین" کی بندگی کی خاطر بہت آسانی بلکہ بصد خوشی قتل کردینا چاہیئے۔

۳۔ راہ زندگی کا تعین :

عید قربان در حقیقت جملہ نفسانی خواہشات کو قربان کرکے الٰہی رضا و تقرب حاصل کرنے کا نام ہے۔

یہ عید ہمیں یہ سبق دیتی ہے کہ تمہاری زندگی کی سمت اور راہ فقط "ذات اللہ" ہونی چاہیئے اور تمہاری یہ حیات مستعار "انا للہ و انا الیہ راجعون"[3] اور "قل ان صلاتی و نسکی و محیای و مماتی للہ رب العالمین"[4] کی جیتی جاگتی تصویر ہونی چاہیئے۔

۴۔ عشق الٰہی میں غرق ہونا:

عید قربان کا فلسفہ یہ ہے کہ انسان کو عبودیت و بندگی کے اس مرحلہ تک پہنچنا چاہیئے کہ جہاں فقط اور فقط اسے "اللہ ہی اللہ" نظر آئے اور وہ اس کے علاوہ کسی کو دیکھنے پہ تیار نہ ہو، یعنی وہ اللہ عزوجل کی معرفت، عشق و محبت اور عبادت و قربت میں اس قدر غرق ہوجائے کہ اس معشوق و معبود حقیقی کی خاطر اپنا سب کچھ نچھاور کرنے میں خوشی بلکہ فخر و شرف محسوس کرے، جیسا کہ سرکار سید الشہداء امام حسین علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنے ان اشعار میں اسی عاشقانہ جذبہ قربانی کا اظہار فرمایا ہے:

---

[1]. قرآن مجید، پارہ ۱۲، سورہ یوسف، آیہ ۵۳

[2]. مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار، ج ۷۰، ص ۶۴۔

[3]. قرآن مجید، پارہ ۲، سورہ بقرہ، آیہ ۱۵۶۔

[4]. قرآن مجید، پارہ ۸، سورہ انعام، آیہ ۱۶۲۔

تَرَكْتُ الْخَلْقَ طُرّاً فِي هَوَاكَا، وَاَيْتَمْتُ الْعِيَالَ لِكَيْ اَرَاكَا
وَلَوْ قَطَّعْتَنِي فِي الْحُبِّ اِرْباً، لَمَا حَنَّ الْفُؤَادُ اِلَى سِوَاكَا[1]

آپؑ خداوند متعال کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:

میں نے ساری کائنات کو تیرے عشق میں چھوڑ دیا، تیری قربت و زیارت کی خاطر اپنے بچوں کو یتیم کر دیا، اگر اپنے عشق و محبت میں تو مجھے ٹکڑے ٹکڑے بھی کر ڈالے، تب بھی میرا دل تیرے غیر کی طرف مائل نہیں ہو گا۔

۵۔ قدرت و رحمت الہی کا باھمی ظہور:

اس دن قہرمان توحید خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام پختہ ایمان و اعتقاد، فولادی عزم و ہمت اور بے پناہ عشق الہی کے ہمراہ اپنے پیارے نوخیز بیٹے کے خوبصورت گلے پر تیز و تند چھری چلانے اور ذبیح الہی حضرت اسماعیل علیہ الصلوۃ والسلام قربانگاہ منی میں ذبح ہونے کے لئے ہمہ تن آمادہ تھے، بلکہ دونوں گویا اپنی قربانی پیش کر چکے تھے کہ ایسے نازک اور سخت ہنگام میں قدرت و رحمت الہی نے آکر حضرت اسماعیل علیہ السلام کے وجود ذی جود کو بچا بھی لیا اور انھیں ذبیح اللہ و صادق الوعد[2] بھی بنا دیا اور حضرت خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام کو " قد صدقت الرویا "[3] کا مژدہ بھی سنا دیا اور تمام موجودات پر ثابت بھی کر دیا کہ " انه کان صدیقا نبیا "[4]۔

نیز قیامت تک آنے والے انسانوں کو یہ درس دے دیا، کہ انسان کو ہر حال میں اپنے الہی وظائف و فرائض کی طرف متوجہ رہنا اور ان پر عمل کرنا چاہیئے اور نتیجہ کو اللہ کے سپرد کر دینا چاہیئے، چونکہ اللہ رب العالمین کا لامحدود علم تمام کائنات و موجودات اور ان کے نیات ورجحان، حرکات و سکنات اور اعمال و اقدامات پر حاوی ہے۔

بلاشبہ جب انسان اس ایمان و اعتقاد کے ساتھ اپنے الہی و دینی وظائف و فرائض کو انجام دے گا تو ان شاء اللہ دنیا و آخرت میں خوشگوار الہی نتائج سے ضرور روبرو ہو گا۔

آخر کلام میں رب رحیم و کریم سے دعا ہے کہ ہمیں عید قربان بلکہ جملہ دینی و اسلامی مراسم کو گہری معرفت اور عمیق توجہ و اخلاص کے ساتھ منانے کی توفیق کرامت فرمائے۔ آمین

---

[1]. محمد محمدی اشتہاردی، سوگنامہ آل محمد، ص ۳۶۵۔

[2]. قرآن مجید، پارہ ۱۶، سورہ مریم، آیہ ۵۴۔

[3]. قرآن مجید، پارہ ۲۳، سورہ صافات، آیہ ۱۰۵۔

[4]. قرآن مجید، پارہ ۱۶، سورہ مریم ، آیہ ۴۱۔

امام علی نقی علیہ السلام اسلامی افکار کے علمبردار

سید علی ہاشم عابدی

حضرت ابوالحسن امام علی نقی علیہ السلام ہمارے دسویں امام ہیں، آپؑ پانچ رجب المرجب (دوسری روایت کے مطابق ۱۵/ذی الحجہ) سن ۲۱۲ ہجری کو مدینہ منورہ کے قریب "صریا" نامی قریہ میں پیدا ہوئے، یہ وہی قریہ ہے جسے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے آباد کیا تھا۔ اور ۳/ رجب المرجب سن ۲۵۴ ہجری کو سامرا میں معتز عباسی کے زہر دغا سے شہید ہوئے۔

آپؑ کے والد ماجد ہمارے نویں امام حضرت جواد الائمہ امام محمد تقی علیہ السلام ہیں اور والدہ ماجدہ جناب سمانہ سلام اللہ علیہا تھیں۔ ماہ ذی القعدہ کے آخری دن سن ۲۲۰ ہجری کو جب آپؑ کے والد ماجد حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی بغداد میں ام الفضل کے ذریعہ معتصم عباسی کے زہر دغا سے شہادت ہوئی تو امامت کی ذمہ داری آپؑ پر آئی۔ اس وقت آپؑ کی عمر مبارک محض سات سے آٹھ برس تھی۔

یہاں اس نکتہ کی جانب بھی توجہ ضروری ہے کہ جس طرح خلیل الرحمٰن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت سے قبل نمرود سے اس کے نجومیوں نے اور کلیم خدا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے قبل فرعون کے نجومیوں نے اس سے کہا تھا کہ تمہاری مملکت میں ایک ایسا بچہ پیدا ہوگا جو تمہارے تخت و تاج کو الٹ دے گا تو ان دونوں نے اپنے جاسوس چھوڑے کہ اگر کوئی بچہ پیدا ہوتا تو اسے قتل کر دیتے۔ فرعون نے ستر ہزار بے گناہ بچوں کو قتل کرا دیا۔ نجومیوں نے صرف یہ بتایا تھا کہ ایک بچہ پیدا ہوگا نہ بچہ کا نام بتایا تھا، نہ ہی والدین کا نام بتایا تھا، نہ خاندان اور قبیلے کا نام بتایا تھا۔ لیکن اسی کے برخلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے لے کر امام حسن عسکری علیہ السلام تک نے امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی ولادت باسعادت کی خبر دی بلکہ ان کا نام، کنیت، القاب، والدین کا نام، خاندان اور قبیلہ تک سے لوگوں کو آگاہ کیا، نیز یہ بھی بتایا کہ وہ دنیا کو عدل و انصاف سے ایسے بھر دیں گے جیسے وہ ظلم و جور سے بھری ہوگی۔ جس کا صاف مطلب یہی ہے کہ وہ نہ صرف ایک نمرود، ایک فرعون بلکہ دنیا کے تمام نمرودوں، فرعونوں، ظالموں اور ستمگروں کا قلع قمع کر دیں گے۔ اب ایسے موقع پر جیسے جیسے امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی ولادت باسعادت کے دن نزدیک آرہے تھے ویسے ویسے ظالم عباسی حکمرانوں کی طرف سے سختیاں بڑھتی جارہی تھیں، منصور، ہادی، مہدی، ہارون، مامون، معتصم، متوکل وغیرہ نے پوری کوشش کی کہ سلسلہ ہدایت کو ختم کر دیا جائے تاکہ منجی عالم بشریت کی ولادت نہ ہوسکے۔ لیکن مشیت پروردگار کچھ اور ہی تھی۔

يُرِيدُونَ أَن يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَن يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ

یہ لوگ چاہتے ہیں کہ نور خدا کو اپنے منھ سے پھونک مار کر بجھا دیں حالانکہ خدا اس کے علاوہ کچھ ماننے کے لئے تیار نہیں ہے کہ وہ اپنے نور کو تمام کر دے چاہے کافروں کو یہ کتنی ہی بری کیوں نہ لگے۔ [1]

[1] سورہ توبہ، آیت ۳۲

حضرت امام علی نقی علیہ الصلوۃ والسلام کی نمایاں خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ نے انتہائی پابندیوں اور محدودیتوں کے زمانے میں پرچم اسلام کو بلند کیا اور بنام اسلام جو غیر اسلامی تعلیمات رائج ہو رہی تھیں ان کو بے نقاب کیا۔ آپ مختلف ذرائع اور انداز سے اپنے چاہنے والوں کی ہدایت فرماتے اور ان کے لیے راہ حق کو روشن کرتے رہتے تھے۔

امام علی نقی علیہ السلام اٹھ برس کی عمر میں منصب امامت پر فائز ہوئے اور اس کمنی کے باوجود لوگوں کے عقائد، احکام، اخلاق اور دیگر مسائل کے سلسلے میں ہدایت فرماتے رہے، اگرچہ آپ سامرا جیسے شہر میں رہتے تھے جو کہ مکمل طور پر فوجی چھاونی تھا اور ہر جانب سے پابندیاں تھی لیکن اس کے باوجود لوگوں کے مسائل اور مشکلات کو کبھی نظر انداز نہیں کیا۔ نہ صرف شیعہ چاہنے والے بلکہ اسلام کے دوسرے فرقوں کے ماننے والے حتی دوسرے دین کے ماننے والوں نے کہ جنہوں نے امام علی نقی علیہ السلام کی زیارت کی ہے انہوں نے آپ کی تعریف و توصیف فرمائی اور آپ کے کردار و شخصیت کا کلمہ پڑھا ہے۔ چنانچہ ہم شیعوں کے دسویں امام بر حق حضرت امام علی نقی علیہ السلام اخلاق و صداقت بلکہ دیگر تمام خصائص حسنہ کے حوالے سے کامل ترین انسان تھے جس کا ہر انسان کو اقرار تھا۔ جب آپ سکوت فرماتے تو آپ کا وقار و ہیبت سب پر عیاں ہوتا اور جب گفتگو فرماتے تو آپ کی عظمت و فضیلت سب پر ظاہر ہوتی۔ آپ اگرچہ سامرا میں فوجی چھاونی کے درمیان اپنے گھر میں نظر بند تھے اس کے باوجود سماج کو حالات سے آگاہ کرتے اور لوگوں کو اہل بیت علیہم الصلوۃ والسلام کی حقانیت سے آشنا فرماتے تھے۔

امام عالی مقام کے سلسلے میں غیر شیعہ افراد کا بھی اقرار تھا کہ آپ علم دین کے حوالے سے فقیہ اور اس پر عمل پیرا تھے حقیقت میں علم و عمل آپ کی شخصیت میں جمع تھے۔ آپ کو فقیہ اس لئے کہتے ہیں کیونکہ اس زمانے میں لوگ دین فقہاء سے لیتے تھے جبکہ اس کے بر خلاف عباسی حکمران جو خلافت کے دعوی دار تھے اور اپنے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جانشین کہتے تھے وہ علم فقہ سے نابلد تھے وہ لوگوں کی امامت کرنے کے لائق نہیں تھے اللہ کی بندگی اور عبادت کے بجائے غیر شرعی امور جیسے شراب خوری، زنا، فتنہ و فساد، عیش و نوش میں مشغول تھے۔

امام علی نقی علیہ السلام علماء و محققین پر خاص نظر کرم فرماتے۔ جیسا کہ بیان کیا گیا کہ ایک دن آپ کی بزم میں شیعہ، بنی ہاشم اور دوسرے عقائد کے لوگ بیٹھے تھے کہ اسی وقت ایک شیعہ عالم تشریف لائے تو جیسے ہی امام کی نظر ان پر پڑی آپ کھڑے ہو گئے، ان کا استقبال کیا اور انکو اپنے پہلو میں جگہ دی۔ بعض لوگوں نے امام کے اس برتاؤ کو دیکھ کر اعتراض کیا تو امام علیہ السلام نے ان کے لیے قرآن کریم کی چند آیتوں کی تلاوت کر کے دلیل پیش کی تاکہ وہ لوگ قانع ہو جائیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا فِي الْمَجَالِسِ فَافْسَحُوا يَفْسَحِ اللَّهُ لَكُمْ ۖ وَإِذَا قِيلَ انشُزُوا فَانشُزُوا يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ

ایمان والو جب تم سے مجلس میں وسعت پیدا کرنے کے لئے کہا جائے تو دوسروں کو جگہ دے دو تا کہ خدا تمہیں جنّت میں وسعت دے سکے اور جب تم سے کہا جائے کہ اُٹھ جاؤ تو اُٹھ جاؤ کہ خدا صاحبان ایمان اور جن کو علم دیا گیا ہے ان کے درجات کو بلند کرنا چاہتا ہے اور اللہ تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے [1]

أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ اللَّيْلِ سَاجِدًا وَقَائِمًا يَحْذَرُ الْآخِرَةَ وَيَرْجُو رَحْمَةَ رَبِّهِ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ

کیا وہ شخص جو رات کی گھڑیوں میں سجدہ اور قیام کی حالت میں خدا کی عبادت کرتا ہے اور آخرت کا خوف رکھتا ہے اور اپنے پروردگار کی رحمت کا امیدوار ہے .... کہہ دیجئے کہ کیا وہ لوگ جو جانتے ہیں ان کے برابر ہو جائیں گے جو نہیں جانتے ہیں. اس بات سے نصیحت صرف صاحبانِ عقل حاصل کرتے ہیں [2].

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح مومن انسان غیر مومن سے افضل ہے اسی طرح اہل ایمان میں صاحبان علم ان لوگوں سے افضل ہیں جنکے پاس علم نہیں ہے اور ہر انسان کو اتنی ہی فضیلت حاصل ہے جتنا اس کے پاس علم ہے۔ ایسے پر آشوب دور میں جب مومنین اپنے امام سے دور ہو گئے تھے تو امام علی نقی علیہ السلام نے انہیں زیارت جامعہ کبیرہ تعلیم دی تا کہ مومنین مقام امامت سے آشنا ہوں اور اپنے امام بر حق سے نزدیک ہوں۔ جناب شیخ صدوق رضوان اللہ تعالیٰ علیہ نے کتاب عیون اخبار الرضا علیہ السلام میں اور شیخ الطائفہ جناب شیخ طوسی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ نے کتاب التنذیب میں زیارت جامعہ کبیرہ کو نقل کیا ہے۔

اہل ایمان کے درمیان ائمہ ہدیٰ علیہم السلام خصوصا امام علی نقی علیہ السلام کی یہی مقبولیت ظالم حکمرانوں کی بے چینی کا سبب ہوتی تھی، مزید بر آن ان کے چاپلوس جاسوس اطلاع دیتے کہ امام علیہ السلام مال و دولت اکٹھا کر رہے ہیں اور اسلحہ جمع کر رہے ہیں تا کہ حکومت کے خلاف قیام کریں لہذا اکثر ائمہ ہدیٰ علیہ السلام کے گھروں کی تلاشی لی جاتی لیکن جب وہاں کچھ نہ ملتا تو چاپلوس جاسوسوں کو شرمندگی کا سامنا کرنا پڑتا ساتھ ہی حکام بھی شرمندہ ہوتے۔ بلکہ یہی تلاشی، حملے اور دشمنیاں سبب ہوتی کہ لوگوں کے سامنے معصوم اماموں کا مقدس کردار اور عظیم شخصیات واضح ہوتی تھیں، ان کا زہد و تقویٰ اور دنیا سے بے رغبتی لوگوں پر عیاں ہوتی اور چاہنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا تھا۔

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ جیسے جیسے اسلام کی حقانیت آشکار ہوئی اور مقبولیت بڑھی ویسے ویسے دشمنوں کی دشمنی بھی بڑھیں۔ خصوصاً امام علی نقی علیہ السلام کے زمانے میں اس قدر پابندیوں کے باوجود اسلام و تشیع کی مقبولیت میں خاطر خواہ اضافہ ہوا تو دشمن کی جانب سے حملوں میں بھی اضافہ ہوا، کبھی عقائد پر حملہ ہوا تو کبھی احکام پر، امام عالی مقام سے دشمنی اور ان پر ظلم کی ایک اہم وجہ بھی یہی مقبولیت تھی کہ آپ کے زمانے میں تشیع کو نمایاں ترقی ملی۔ زیارت جامعہ کبیرہ اور زیارت غدیر کے ذریعہ امام عالی مقام نے لوگوں کے سامنے حقائق کو واضح کیا۔ جب

---

[1] سورہ مجادلہ آیت ۱۱

[2] سورہ زمر آیت ۹

کہ اس زمانے میں بنی عباس کسی وقت بھی آپؑ کو شہید کر سکتے تھے لیکن آپؑ نے بنی عباس کے خطرات کی پرواہ کئے بغیر پرچم تشیع کو بلند کیا۔

آپ کی انگوٹھی کے نقش "حِفظَ العُهودِ مِن أخلاقِ المَعبود" (عہد کی پاسداری معبود کے اخلاق میں سے ہے۔) اسی طرح دوسرا نقش "اللهُ ربّي وهو عَصمتي مِن خَلقِه" (اللہ میرا رب ہے اور وہی اپنی مخلوقات سے میری حفاظت کرتا ہے۔) جس سے واضح ہوتا ہے امام عالی مقام نے اللہ سے عہد کیا اور ہر حال میں اس کی پاسبانی فرمائی، خود کو اللہ کا بندہ اور اسی کو اپنا نگہبان بتایا لہذا بغیر کسی خوف کے اللہ کے احکام کی پابندی کی اور رہتی دنیا تک بشریت کو تعلیم دی کہ اللہ کے بندے بنو، کسی اور کے نہیں اور اسی کو اپنا محافظ جانو تا کہ اسکے حق اطاعت کو ادا کر سکو۔ نیز آپؑ نے فرمایا: اللہ عزوجل شانہ اس بندے کی دعا قبول کرتا ہے جو اس کی اخلاص کے ساتھ عبادت و بندگی کرے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل بیت علیہم السلام پر ایمان رکھتا ہو۔

جیسا کہ بالا سطور میں ذکر کیا گیا کہ جیسے جیسے اسلام کی مقبولیت میں اضافہ ہوا ویسے ویسے دشمن کی جانب سے حملوں میں بھی اضافہ ہوا، دشمن کو دو صدی سے زیادہ کا تجربہ تھا کہ اسلام کی کھلم کھلا مخالفت سے اسلام ختم ہونے والا نہیں ہے۔ لہذا اس نے اسلام کا لباس پہن کر اس میں شک و شبہہ ایجاد کرنا شروع کیا تاکہ لوگوں کے عقائد خراب ہوں اور جب لوگوں کا ایمان و عقیدہ ہی مستحکم نہ ہوگا تو ان کے اعمال کا صحیح ہونا محال ہو جائے گا لہذا طرح طرح کے شک و شبہات ایجاد کئے گئے۔ جس کی وجہ سے غالی، واقفی، صوفی وغیرہ وجود میں آئے۔

"تقسیم کرو راج کرو" کی سیاست کے مطابق حکومت ان تمام اختلافات سے فائدہ اٹھاتی اور انہیں اختلافات پر اپنی باطل حکومت کی بنیاد کو مضبوط کرتی ایسا پر آشوب ماحول بھی امام علی نقی علیہ السلام کو اظہار حق سے نہ روک سکا اور آپؑ نے ہر محاذ پر احقاق حق اور ابطال باطل فرمایا۔

صوفیہ:

صوفی گروہ جو ظاہر میں انتہائی زہد و تقویٰ اور دنیا سے بے رغبتی کا مظاہرہ کرتا اور ہر وقت زبان پر ذکر خدا کا ورد کرتا تھا کہ لوگ انہیں دیکھ کر کافی متاثر ہوتے۔ جب کہ حقیقت اس کے برخلاف تھی۔

روایت میں ہے کہ ایک دن امام علی نقی علیہ السلام اپنے اصحاب کے ساتھ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے اسی وقت صوفیوں کا ایک گروہ مسجد میں داخل ہوا اور ایک کونے میں بیٹھ کر ذکر کرنے میں مصروف ہو گیا امام علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنے اصحاب سے فرمایا اس فریبی جماعت پر توجہ نہ کرو یہ شیطان کے ہم نشین ہیں اور دین کے ارکان کو ویران کرنے والے ہیں یہ اپنے مقصد کو پانے کے لیے زاہدانہ چہرہ ظاہر کر رہے ہیں اور لوگوں کو فریب دینے کے لئے راتوں میں جاگتے ہیں۔ یہ سواری کو پانے کے لئے بھوکے رہتے ہیں یہ لا الہ الا اللہ نہیں کہتے مگر یہ کہ لوگوں کو اس کے ذریعے دھوکہ دیں، یہ کم نہیں کھاتے مگر یہ کہ اپنی دولت میں اضافہ کریں اور بے وقوفوں کو اپنے سے نزدیک کریں یہ لوگوں کے سامنے اللہ سے دوستی کی بات کرتے ہیں اور آہستہ آہستہ ان کو گمراہی کے کنویں میں ڈال دیتے ہیں۔ یہ جو بھی ذکر کر رہے ہیں یا تالیاں بجا رہے ہیں یہ فقط ایک نغمہ ہے جس کے ذریعہ لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں جو بھی ان سے ملاقات کرے گا وہ شیطان

سے ملاقات کرے گا اور بت پرستی میں مصروف ہو جائے گا جو بھی ان کی مدد کرے گا اس نے گویا گمراہی میں یزید و معاویہ اور ابو سفیان کی مدد کی۔
جب امام نے یہ جملے ارشاد فرمائے تو اسی وقت ایک شخص نے آپ سے سوال کیا کہ یہ لوگ تو آپ کے حق کا اقرار بھی کرتے ہیں یہ آپ کے منکر نہیں ہیں؟
امام علیہ الصلوۃ والسلام نے فوراً فرمایا کہ ایسے سوالات سے پرہیز کرو جو بھی میرے حق کا اعتراف کرے گا وہ اس طرح ہماری لعنت و بد دعا کا مستحق نہیں ہوتا اور جو ہمارے حق کا اعتراف کرتے ہوئے اس طرح کے اعمال انجام دے گا وہ صوفیوں کا سب سے نچلہ طبقہ ہے کیونکہ تمام کے تمام صوفی ہمارے مخالف ہیں اور ان کا راستہ بھی ہمارے راستے سے جدا ہے وہ اسلامی امت میں یہود و نصاری ہیں یہ وہی لوگ ہیں جو نور الہی کو خاموش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن نور الہی سب پر ظاہر ہو گا اور کامل ہو گا اگرچہ کافروں کو برا ہی کیوں نہ لگے۔

واقفیہ

دوسرا گروہ واقفیہ تھا جو امام موسی کاظم علیہ السلام کی شہادت کے بعد شرعی مال و دولت کو ہڑپنے کے لئے امام علی رضا علیہ السلام کی امامت کا منکر ہوا یہ لوگ امام موسی کاظم علیہ السلام کے بعد کے ائمہ کی پیروی سے لوگوں کو منع کرتے تھے۔ امام علی نقی علیہ السلام نے غالیوں اور صوفیوں کی طرح ان پر بھی لعنت کی اور ان کی بھی حقیقت کو لوگوں کے سامنے واضح کیا۔

علمی مناظرہ

مامون عباسی نے جس مناظرے کی بنیاد رکھی تھی اسے بنی عباس کے بعد کے حکام نے جاری رکھا اور ہٹ دھرم، ضدی اور گمراہ علماء کو دربار میں بلاتے اور ائمہ علیہم السلام سے مناظرہ کراتے۔ ایک دن متوکل نے اسی سلسلے میں اپنے دربار کے دو عالم یحیی بن اکثم اور ابن السکیت کو امام علی نقی علیہ السلام سے مناظرے کے لئے اپنے دربار میں بلایا یحیی بن اکثم نے کئی سوال بطور تحریر پوچھے جن کا امام علیہ الصلوۃ والسلام نے جواب دیا اور جب امام نے اس سے سوال کیا تو وہ مبہوت ہو گیا۔ اس طرح امام علیہ السلام نے دربار میں علمی دلیلوں کے ذریعے سے احقاق حق اور ابطال باطل فرمایا۔
امام علی نقی علیہ السلام کے زمانے میں اسلامی امت کے عقیدے کو کمزور کرنے کے لئے معتزلہ اور اشاعرہ مکتب فکر کو رواج دیا گیا جس کا امام علیہ السلام نے جواب دیا اور لوگوں کے سامنے حقائق کو واضح کیا اسی طرح احکام کے سلسلے میں بھی آپ سے متعدد سوالات ہوئے جس کا امام علیہ الصلوۃ والسلام نے جواب دیا۔ مثلاً زکوۃ اور شیشے پہ سجدہ کرنے کے سلسلے میں سوال ہوا تو امام علی نقی علیہ السلام نے فرمایا شیشے پہ سجدہ کرنا جائز نہیں ہے۔

تربیت شاگردان

ظاہر ہے وہ دور امام محمد باقر علیہ السلام یا امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانے جیسا نہیں تھا کہ جس میں باقاعدہ طور پر مدرسہ کی بنیاد رکھی جائے اور شاگردوں کی تربیت کی جائے۔ لیکن ایسے سخت حالات میں بھی امام علیہ السلام نے تقریباً ۱۸۵ شاگرد تربیت کئے۔ جو آپ کی

تعلیمات کو لوگوں تک پہنچاتے تھے جن میں سے چند کے اسمائے گرامی مندرجہ ذیل ہیں فضل بن شاذان، حسین بن سعید اہوازی، ابو ہاشم جعفری، ابن السکیت اہوازی، حسن بن علی، عثمان بن سعید (حضرت امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے پہلے نائب خاص) اور ان شاگردوں میں سب سے مشہور جناب عبد العظیم حسنی رضوان اللہ تعالی علیہ ہیں کہ جن کی قبر مبارک شہرری، ایران میں ہے اور ان کی زیارت کرنے والے کو وہی ثواب ہے جو امام حسین علیہ الصلوۃ والسلام کے قبر مبارک کے زائر کو ملتا ہے۔

غالیوں سے مقابلہ

ائمہ معصومین علیہم السلام کے لئے ایک بڑی مشکل غالی بھی تھے بلکہ دور حاضر میں بھی ہیں غالی جو ظاہرا ائمہ ہدی علیہم السلام کے خیر خواہ نظر آتے ہیں لیکن وہ آپ کی الوہیت کے قائل ہیں اور اسی طرح مختلف گمراہ فکروں کے حامل ہیں امام علی نقی علیہ السلام نے اپنے زمانے کے مشہور غالی ابن حسکہ پر لعنت کی اور اس سے اظہار بیزاری کیا اور بتایا کہ ہم ائمہ بھی اللہ تعالی شانہ کے بندے اور لوگوں پر اس کی حجت ہیں۔ خدایا ! ہمیں اپنی، اپنے رسول اور حجؑ کی معرفت عطا فرما

غدیر سیرت اہل بیت علیہم السلام کی روشنی میں

سید حمید الحسن زیدی سیتاپور

دین اسلام کی جامعیت اور استحکام

اسلام ایک عالمی مذہب اور ایک آخری شریعت ہے جس میں وہ تمام خبریں پائی جاتی ہیں جس میں انسان زندگی کی تمام ضرورتوں کا خیال رکھا گیا ہے۔ اور امت اسلام کی قیادت اور ذمہ داری پیغمبر اسلامؐ کے ہاتھوں میں رہی جب تک آپ زندہ رہے اور کیا یہ مناسب ہے کہ ہمیشہ باقی رہنے والی شریعت کی قیادت کو پیغمبر اسلامؐ کے بعد امت اسلامی کے عام افراد یا اتفاقات اور حادثات یا صحابہ کے ذاتی اجتہاد کے حوالہ کر دیا جائے اور پھر ان کے ذاتی اخلاقیات و نظریات کا شکار ہو کر امت اسلامی کے انتشار اور اسلامی اقتدار کے خاتمہ پر جا کر منتہی ہو۔

عید غدیر اور اسلامی تاریخ

خداوند عالم کی مشیت تھی کہ یہ تاریخی واقعۂ غدیر پر زمانے اور ہر صدی میں اس طرح زندہ رہے کہ اس کی طرف دل و دماغ جھکتے ہوئے نظر آئیں اور اس کے بارے میں ہر دور میں اسلامی مصنفین کتابیں تحریر کرتے رہیں خطباء و واعظین اپنے اپنے خطابات اور شعراء اپنے اشعار میں غدیر کی عظمت اور فضیلت بیان کریں اور ساتھ ساتھ غدیر کے مرکزی کردار مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام کے فضائل و کمالات کو اس انداز میں نقل کریں کہ پھر اس میں کسی طرح کے شک و شبہ کی گنجائش نہ رہ جائے۔

انسانی تاریخ میں عام طور پر اور اسلامی تاریخ میں خاص طور پر بہت کم ایسے واقعات ہوں گے جن کی چھاپ واقعۂ غدیر کی طرح تاریخ کے ایک بڑے حصہ پر محسوس کی جاسکے

اس عظیم واقعہ کے باقی رہ جانے کی وجوہات میں سے ایک اہم وجہ اس واقعہ پر ثقلین یعنی قرآن مجید اور اہل بیت علیہم السلام کی خاص توجہ ہے قرآن مجید میں دو آیتوں کے نزول کی مناسبت غدیر ہے جب تک قرآن مجید باقی رہے گا اور جب تک اس کلام پاک کی تلاوت ہوتی رہے گی اور جب تک محافظ قرآن اہل بیت علیہم السلام کی فرد زمانے کے امام کی امامت اور تعلیمات اہل بیت علیہم السلام رہیں گی۔ یہ عظیم واقعہ ہمیشہ ہمیشہ قلب و دماغ کو تازگی عطا کرتا رہے گا۔

ماضی میں اسلامی معاشرہ کے تمام افراد اور خاص طور پر اہل بیت علیہم السلام کے ماننے والے اس پاکیزہ دن کو ایک بڑی اسلامی عید کے طور پر مناتے ہیں۔ یہ دن امت اسلامی میں عید غدیر کے نام سے مشہور ہے۔ اس کی شہرت کا عالم یہ ہے کہ ابن خلکان تک نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ مستعلی ابن مستنصر کی بیعت عید غدیر کے دن کی گئی جو ۱۸/ ذی الحجہ ۴۸۷ھ کو انجام پائی۔

مستنصر باللہ العبیدی کے حالات میں ملتا ہے کہ ماہ ذی الحجہ کے جب ۱۲/ دن باقی رہ گئے تھے تب اس کی وفات ہوئی یعنی اس کی وفات شب ۱۸/ ذی الحجہ میں ہوئی ہے۔ ابوریحان بیرونی نے اپنی کتاب "الآثار الباقیہ" میں اس دن کو ان دنوں میں شمار کیا ہے جس دن امت اسلامیہ عید کے طور پر مناتی ہے۔

ابوہریرہ سے روایت ہے کہ جو شخص بھی ۱۸/ذی الحجہ کو روزہ رکھے خداوند عالم اسے ۶۰ مہینے (یا سال بھر) کے روزے کا ثواب عطا فرماتا ہے۔ یہ عید غدیر کا پاکیزہ دن ہے جس دن رسول اسلامؐ نے حضرت علی علیہ السلام کو اپنا جانشین مقرر فرمایا اور اعلان کیا:

"من کنت مولاہ فعلی مولاہ، اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ وانصر من نصرہ"

جس جس کا میں مولا ہوں اس کے علی بھی مولا ہیں۔ بار الٰہا! اسے دوست رکھ جو علیؑ کو دوست رکھے اور اس سے دشمنی رکھ جو علی سے دشمنی رکھے، اس کی مدد فرما جو علیؑ کی مدد کرے۔

اس کے بعد عمر ابن خطاب نے کہا: "بخ بخ لك یابن ابی طالب ! اصبحت مولای و مولیٰ کل مسلم "مبارک ہو مبارک ہو اے ابوطالب کے لال! آپ میرے اور ہر مسلمان کے مولا ہو گئے۔

ثعالبی نے بھی امت اسلامی کے درمیان عید غدیر کی اہمیت و اعتبار کا تذکرہ کیا ہے۔ اس پاکیزہ دن کے عید منانے کی تاریخ کا آغاز خود واقعۂ غدیر سے ہوتا ہے اس لئے کہ پیغمبر اسلامؐ نے انصار اور مہاجرین کو بلکہ اپنی ازواج کو بھی حکم دیا کہ علیؑ کے پاس جاکر انہیں اس عظیم فضیلت کی مبارکباد پیش کریں۔

زید ابن ارقم کا بیان ہے کہ سب سے پہلے پیغمبر اسلامؐ اور حضرت علی علیہ السلام سے مصافحہ اور بیعت کرنے والے افراد ابو بکر، عمر، عثمان، طلحہ اور زبیر اور دیگر مہاجرین و انصار تھے اس کے بعد بقیہ مسلمانوں نے بیعت کی۔ اس عظیم واقعہ کی اہمیت کے لئے یہی کافی ہے کہ ایک سو بیس اصحاب پیغمبرؐ نے اس واقعہ کی روایت کی ہے البتہ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ اس عظیم واقعہ کے راویوں کی تعداد انہیں ایک سو بیس راویوں پر منحصر ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان ایک سو بیس راویوں کا تذکرہ اہل حدیث اور اہل تاریخ کی کتابوں میں پایا جاتا ہے ورنہ دوسری صدیوں میں واقعۂ غدیر کے راویوں میں مختلف مذاہب اسلامی کے علماء کا انبوہ کثیر ہے اور جسے ان میں سے بہت سے علماء نے صحیح قرار دیا ہے اور اس واقعہ کی روایت کے متواتر ہونے پر اتفاق کیا ہے

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا اور غدیر

ایک دن جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا احد کے میدان میں اپنے والد بزرگوار رسول اسلام ﷺ کے چچا "سید الشہداء جناب حمزہ" کے مزار پر گریہ وزاری میں مشغول تھیں۔ جب جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کی گریہ وزاری ختم ہوئی تو محمود بن لبید نے ان سے پوچھا: اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی! کیا آپ کو علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی ولایت اور وصایت کے بارے میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی قول یاد ہے؟

جناب فاطمہ (س) نے فرمایا: و اعجبا انسیتم یوم غدیر خم؟... اشھد اللہ تعالی لقد سمعته یقول: علی خیر من اخلفه فیکم و ھو الامام و الخلیفة بعدی و سبطای و تسعة من صلب الحسین، ائمة ابرار، لئن اتبعتموھم وجدتموھم ھادین مھدیین و لئن خالفتموھم لیکون الاختلاف فیکم الی یوم القیامة.

کتنے تعجب کی بات ہے !کیا تم لوگ غدیر کے دن کو فراموش کر چکے ہو؟!۔۔۔میں خدا کو گواہ بنا کر کہتی ہوں کہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: علی علیہ السلام ان تمام لوگوں میں سب سے بہتر ہیں، جنہیں میں تمہارے درمیان چھوڑ کر جارہا ہوں؛ علی علیہ السلام امام اور میرے بعد خلیفہ ہوں گے۔

میرے دو نواسے حسنؑ اور حسینؑ اور حسینؑ کی نسل سے نو افراد پاک اور نیک امام اور رہنما ہیں۔ اگر تم ان کی اطاعت اور فرمانبرداری کرو گے، تو وہ تمہاری ہدایت کرنے والے ہادی اور مہدی ہوں گے۔ اور اگر ان کی مخالفت کرو گے، تو قیامت تک تمہارے درمیان اختلافات رہیں گے[1]۔

حضرت علی علیہ السلام اور غدیر سے استدلال:

الف: سلیم بن قیس ہلالی کہتے ہیں: ایک دن میں عثمان کے زمانہ خلافت میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بیٹھا ہوا تھا۔ مسجد میں کچھ اور لوگ بھی موجود تھے جو آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ علی ابن ابی طالب علیہ السلام اپنی جگہ سے اٹھے۔ اسلام سے متعلق اپنی خدمات گنوائیں اور سب نے ان کی باتوں کی تصدیق کی۔ اس کے بعد انہوں نے غدیر خم کے بارے میں فرمایا:

جب لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ولایت اور وصایت کے بارے میں سوال کیا۔ تو خداوند عالم نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ اپنے بعد اپنے جانشین اور خلیفہ کا تعارف کرائیں اور اس بارے میں ضروری وضاحت کریں بالکل اسی طرح جس طرح انہوں نے نماز، روزہ اور حج کی تفسیر فرمائی۔

اس کے امام علی علیہ السلام نے فرمایا:

پس پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خداوند عالم کے حکم سے غدیر خم میں مجھے ولایت کے عہدے پر فائز کیا اور فرمایا: اے لوگو! جان لو کہ خداوند عالم میرا مولا ہے۔ میں مومنین کا مولا ہوں۔ کیا میرا حق تم پر تمہاری جانوں سے بھی زیادہ نہیں ہے؟ سب نے یک آواز ہو کر جواب دیا: ہاں! اے خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ایسا ہی ہے۔ پھر آپ نے فرمایا: اے علی علیہ السلام اپنی جگہ سے اٹھو۔ میں اپنی جگہ سے اٹھا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جان لو کہ جس کا میں مولا ہوں، اس کا علی مولا ہے۔ اے خدا! علی علیہ السلام کے چاہنے والوں کو دوست رکھ اور اس سے دشمنی کرنے والوں کو دشمن رکھ[2]۔

جنگ صفین کے دوران حدیث غدیر کا بیان:

ایک دن علی علیہ السلام نے اپنے سپاہیوں کے درمیان (جن میں بعض مہاجرین اور انصار جیسے ابوہیثم بن تیہان، خالد بن زید، ابوایوب انصاری، عمار بن یاسر و۔۔۔ جنگ بدر کے کل ستر مہاجرین اور انصار اس موقع پر موجود تھے۔) پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے

[1] بحار الانوار، ج ۳۶، ص ۳۵۴-۳۵۳/ اسمی المناقب، علامہ شمس الدین ابن جزری، ص ۳۲/ نہج الحیاۃ، ص ۳۸۔

[2] احتجاج طبرسی، ج ۱، ص ۲۱۴-۲۱۳۔

اپنی فضیلتیں بیان کیں۔ اس کے بعد "انما ولیکم الله و رسوله والذین آمنوا الذین یقیمون الصلاۃ..."[1] اور "لم یتخذوا من دون الله ولا رسوله ولا المؤمنین ولیجه (۔ توبه ۱۶)" کی تلاوت کی اور فرمایا: لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا: کیا ان آیات میں بیان ہونے والی "ولایت" چند خاص لوگوں کے لئے مخصوص ہے یا تمام لوگ اس کے حقدار ہیں؟ خداوند عالم نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ انہیں سمجھائیں کہ یہ آیت کس کے لئے نازل ہوئی ہے اور ان کے لئے ولایت کی وضاحت کریں بالکل اسی طرح جس طرح انہوں نے نماز، روزہ اور حج کی تفسیر فرمائی۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خداوند تعالی کے حکم کی اطاعت کے لئے غدیر خم کے دن مجھے ولایت کے عہدے پر فائز کیا اور ان سے اس طرح خطاب فرمایا:

"ان الله ارسلنی برسالة...من کنت مولاہ فعلی مولاہ..."[2]

غدیر خم اور خطبہ امام حسن مجتبی علیہ السلام:

حسن بن علی علیہ السلام نے شام کے طاغوتی نظام اور کوفہ کے لوگوں کے درمیان ایک خطبہ دیا جس میں آپ نے لوگوں کو اہل بیت علیہم السلام کی حاکمیت جیسی عظیم ترین نعمت یاد دلائی۔ اپنی شائستگی اور شرعی خلافت کا ذکر فرمایا۔ پھر غدیر کے یاد رہ جانے والے دن کی کہانی ان الفاظ میں بیان فرمائی:

لوگوں کو میرے نانا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات یاد ہے جو فرماتے تھے: جب بھی لوگ اپنے لئے کسی ایسے انسان کو رہبر اور رہنما کے طور پر منتخب کریں، جس سے زیادہ لائق اور زیادہ آگاہ انسان موجود ہو، تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ انہوں نے اپنے لئے بد بختی اور مصیبت خرید لی ہے؛ مگر یہ کہ انہوں نے جس چیز کو چھوڑا اور بھلا دیا ہے، دوبارہ اسی کی طرف لوٹ جائیں۔ اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو کچھ میرے والد گرامی کے بارے میں سنا ہے، اس کی پیروی کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے: یا علی تم میرے لئے ویسے ہی ہو جیسے ہارون موسی کے لئے تھے، اس فرق کے ساتھ کہ میرے بعد کوئی اور پیغمبر نہیں آئے گا۔ پھر امام مجتبی علیہ السلام نے فرمایا: ان لوگوں نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا اور "غدیر خم" کے موقع پر ان کے ارشادات سنے۔ اس دن میرے نانا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے والد گرامی کا ہاتھ تھاما اور اسے فضا میں لہراتے ہوئے فرمایا: جس کا میں مولا ہوں، اس کا علی مولا ہے۔ اے خدا! جو علی کا چاہنے والا ہو اسے دوست رکھ، اور جو اس کا دشمن ہے اسے اپنا دشمن سمجھ۔۔۔ پھر میرے نانا نے پوری تاکید کے ساتھ یہ حکم دیا کہ جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ میرا پیغام ان لوگوں تک پہنچائیں جو یہاں موجود نہیں ہیں[3]۔

امام حسین علیہ السلام اور منا میں حدیث غدیر کا بیان:

---

[1] سورہ مائدہ: ۵۵

[2] بحار الانوار، ج ۳۳، ص ۱۴۷-۱۴۶

[3] ینابیع المودۃ، قندوزی حنفی، ج ۳، ص ۱۵۳/ بحار الانوار، ج ۱۰، ح ۵، ص ۱۴۴-۱۳۸

معاویہ کی موت سے ایک سال پہلے، امام حسین علیہ السلام نے حج کے پر شکوہ موقع پر خانہ خدا کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔ عبد اللہ بن عباس اور عبد اللہ بن جعفر آپ علیہ السلام کے ہمراہ تھے۔ اس سال وہاں بنی ہاشم کے مردوں اور عورتوں کی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔ امام حسین علیہ السلام نے ایام تشریق (یعنی: عید الاضحیٰ کے تین دن بعد جب قربانی کے گوشت کو سکھایا جاتا تھا) میں منا کے مقام پر سب کو جمع ہونے کا حکم دیا۔ لوگوں کا ایک عظیم مجمع اکٹھا ہوا جس میں سات سو سے زائد تابعین اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو سو صحابی شامل تھے۔ یہ سب آپ علیہ السلام کے ارد گرد خیمے کے نیچے بیٹھ گئے اور اپنے امام علیہ السلام کے خطاب کا انتظار کرنے لگے۔ امام علیہ السلام اپنی جگہ سے اٹھے اور خداوند تعالی کی تعریف اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

معاویہ نے ہم پر اور ہمارے شیعوں پر جو زیادتیاں کیں، تم اس کے شاہد ہو اور تمہیں اس بارے میں پوری جانکاری حاصل ہے۔ میری باتوں کو سنو اور لکھ کر رکھو[تاکہ آئندہ نسلوں کے لئے محفوظ ہو کر رہ جائیں] اور پھر انہیں دیگر شہروں، قبیلوں اور مومن افراد جن پر تمہیں پورا اعتماد ہو، ان تک پہنچاو۔ انہیں ہمارے حقوق ادا کرنے کی دعوت دو۔ مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ وقت گزر جائے گا اور ہمارے حقوق پر ستمگر غالب آجائیں گے؛ اگرچہ خداوند عالم ہمارا سب سے بڑا حامی ہے۔ پھر فرمایا: تمہیں خدا کی قسم! کیا تمہیں یاد نہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غدیر کے دن میرے والد بزرگوار علی علیہ السلام کو اپنا وصی اور اپنے بعد امام قرار دیا اور تمہارے سامنے حدیث ولایت پڑھ کر سنائی اور فرمایا کہ تمام لوگوں کو چاہیے کہ وہ اس پیغام کو دوسرے لوگوں تک پہنچائیں؟ [لوگوں نے کہا:] جی ہاں! ہمیں یاد ہے[1]

امام محمد باقر علیہ السلام اور غدیر کا واقعہ:

فضیل بن یسار، بکیر بن اعین، محمد بن مسلم، یزید بن معاویہ اور ابو الجارود سب امام محمد باقر کی خدمت میں حاضر تھے۔ امام علیہ السلام نے علی ابن ابی طالب علیہ السلام اور غدیر کے واقعے کے بارے میں فرمایا:

خداوند تعالی نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علی علیہ السلام کی ولایت پر مامور کیا اور یہ آیت نازل کی:

﴿إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ﴾[2]

امام صادق علیہ السلام مسجد غدیر میں:

حسان جمال کہتا ہے: میں امام صادق علیہ السلام کے ساتھ مدینہ سے مکہ کی طرف سفر کر رہا تھا۔ میقات جحفہ کے نزدیک جب ہم "مسجد غدیر" کے پاس پہنچے تو امام علیہ السلام نے مسجد کی طرف دیکھ کر فرمایا: یہ وہ جگہ ہے جہاں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غدیر کے دن علی علیہ السلام کو اپنا جانشین مقرر کیا اور فرمایا: "من کنت مولاہ فعلی مولاہ"۔ (مسجد غدیر اور میقات جحفہ کے درمیان تین میل (تقریباً ۵۷۶۰ میٹر) ہے[3]۔

[1] موسوعۃ کلمات الامام الحسین (ع)، ص ۲۷۰/الغدیر، ج ۱، ص ۱۹۸، ح ۹، چاپ چہارم

[2] ۔ مائدہ: ۵۵

[3] ۔ معجم معالم الحجاز، ج ۲، ص ۱۲۴

امام کاظم علیہ السلام اور مسجد غدیر:

عبد الرحمان بن حجاج نے کہا: ایک دن میں امام موسی ابن جعفر علیہ السلام کی خدمت میں تھا میرا ارادہ سفر کا تھا میں نے امام علیہ السلام سے مسجد غدیر کے بارے میں دریافت کیا۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: اس مسجد میں نماز ادا کریں کہ بہت فضیلت اور ثواب حاصل ہوگا۔ میرے والد بزرگوار (اس طرف روانہ ہونے والے ہر شخص کو) حکم دیا کرتے تھے کہ مسجد غدیر میں نماز ضرور ادا کرے۔[1]

امام رضا علیہ السلام اور غدیر:

احمد بن محمد بن ابی نصر بزنطی کا بیان ہے: میں آٹھویں امام علیہ السلام کے گھر میں ان کی خدمت میں حاضر تھا۔ لوگوں کی ایک اور بڑی تعداد بھی امام علیہ السلام کے گھر میں جمع تھی کہ ایسے میں غدیر کے دن کے بارے میں باتوں کا آغاز ہوگیا۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ غدیر کا دن صدر اسلام کے دنوں میں نہیں تھا جبکہ بعض دیگر لوگوں نے اس کا شمار اسلامی رسومات میں کیا۔ ایسے میں امام علیہ السلام گویا ہوئے اور فرمایا: میرے والد بزرگوار نے میرے جد "جعفر بن محمد علیہ السلام" سے یوں نقل کیا ہے:

ساکنان عرش غدیر کے دن کو زمین پر رہنے والوں سے زیادہ بہتر طور پر جانتے ہیں۔ خداوند تعالی نے جنت میں ایک بڑی عمارت کو خود سے مخصوص قرار دیا ہے۔ یہ عمارت سونے اور چاندی کی اینٹوں سے تعمیر کی گئی ہے، جس میں ایک لاکھ سرخ یاقوت کے گنبد اور ایک لاکھ سبز یاقوت کے گنبد ہیں۔ اس عمارت میں استعمال ہونے والی مٹی اور گارا سب مشک اور عنبر سے ہیں۔ وہاں چار ندیاں دیکھی جاسکتی ہیں جن میں سے ہر ایک میں شراب طہور، شفاف پانی، دودھ اور شہد بہتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ ان ندیوں کے کنارے مختلف پھلوں والے درختوں کا ہجوم ہے۔ ان درختوں کے اوپر ایسے پرندوں کی پرواز جاری ہے جن کے بدن موتی اور پر یاقوت کے بنے ہوئے ہیں۔ وہ اپنی پرواز کے ساتھ دل کو لبھا لینے والی مختلف آوازیں ایجاد کرتے ہیں۔

غدیر کے دن اس عظیم محل کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ فرشتے اور اہل افلاک تسبیح پڑھتے ہوئے محل میں داخل ہوتے ہیں۔ پرندے اپنی پرواز شروع کرتے ہیں اور ندیوں کے پانی سے خود کو بھگو لیتے ہیں اور پھر مشک و عنبر سے آلودہ ہوکر اس عطر کو پورے محل کے ملکوتی فضاء میں بکھیر دیتے ہیں۔ فرشتے جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے نام پر ایک دوسرے کو تحفے دیتے ہیں۔ جب غدیر کا دن اپنے اختتام کو پہنچتا ہے، تو فرشتوں سے کہا جاتا ہے کہ چلو اگلے سال تک اپنی پہلی حالت کی طرف لوٹ جاؤ۔ اب سے تم آج کے اس مبارک دن کی طرح ہر قسم کی لغزش سے امان میں ہو۔ جان لو کہ یہ تمام داد و دہش ہمارے عظیم پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے وصی جناب علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی وجہ سے ہے۔[2]

---

[1] وسائل الشیعہ، ج ۳، ص ۵۴۹، ح ۲، ب ۶۱/ فروع کافی، ج ۴، ص ۵۶۶، ح ۱/ تہذیب الاحکام، ج ۶، ص ۱۸، ح ۲۱، ب ۱۶/ من لایحضرہ الفقیہ، ج ۲، ص ۵۵۹، ح ۳۱۴۳

[2] تہذیب الاحکام، ج ۶، ص ۲۴، ح ۹، باب ۱۹/ بحار الانوار، ج ۹۴، صص ۱۸ - ۹

غدیر اہل سنت کی کتب میں

ڈاکٹر ذیشان حیدر

خداوند متعال نے اس دنیا کو مختلف موجودات سے سجایا پھر اس کے بعد اپنی سب سے بہترین مخلوق کو خلق فرمایا اس کو عقل جیسی نعمت سے نوازا جس سے اس کو اپنی دیگر مخلوقات پر فضیلت دی ہے سے اپنے خالق اور رازق کو پہچان سکتا ہے اور حق اور باطل میں تمیز دے سکتا ہے۔

اگر چہ عقل ہی حجت کے لئے کافی تھی لیکن اس نے اپنے فضل و کرم سے انسانوں کی ہدایت کے لئے رسولوں کا بھی انتظام کیا تاکہ وہ عقل پر پڑ جانے والے گرد و غبار کو صاف کر کے اس کو ھدف خلقت سے آشنا کر سکیں لہذا اس نے پہلے ہی انسان کو اپنا رسول بنایا اور اس طرح عالم بشریت کو ایک لمحہ کے لئے بھی ہادیان الہی سے خالی نہ رہنے دیا پھر یکے بعد دیگرے انبیاء اور رسولوں کو مسلسل بھیجتا رہا یہاں تک کہ نوبت ہمارے آخری رسول تک آپہنچی انھوں نے اس دین کی خاطر ڈھیلے پتھر کھائے بہت سی تکالیف اور درد و غم کا سامنا کیا وطن سے نکالا گیا حتی اسی سے زائد جنگوں کا سامنا کرنا پڑا جن میں اپنے عزیز ترین اعزاء اور اصحاب سے ہاتھ دھونا پڑا مگر دین خدا کو پابر جا بنا دیا اور ایک دن وہ بھی آیا کہ جس مکہ سے آپ کو نکالا وہی آپ کے ہاتھوں فتح ہو گیا جن لوگوں نے آپ کے خلاف جنگیں لڑی تھیں آپ کے سامنے گھٹنے ٹیکتے نظر آئے مگر آپ ﷺ چند افراد کے سوا سب کو معاف کر دیا حتی اپنے جانی دشمن ابوسفیان جیسے شخص کو بھی، اور یہ نعرہ دیا کہ آج کا دن بدلہ کا دن نہیں، بلکہ عفو و بخشش کا دن ہے

آپ نے مکہ اور مدینہ اور اس کے اطراف میں ہر طرف امن و امان اور دین الہی کے پرچم کو لہرایا ایسے عالم میں آپ نے حج کا ارادہ کیا اور اعلان کیا شاید یہ میری زندگی کا آخری حج ہو لہذا ایک لاکھ سے زائد کا مجمع مکہ کی سمت امنڈ آیا جس نے اپنے نبی کے ساتھ مراسم حج انجام دیا حج کے بعد آپ نے مدینہ منورہ کا رخ کیا ابھی غدیر کے مقام تک پہنچے تھے فرشتہ وحی جبرئیل امین نے نازل ہو کر خداوند عالم کا سب سے اہم یہ پیغام پہنچایا

"يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ"[1]

---

[1] مائدہ ۶۷

اے پیغمبر آپ اس حکم کو پہنچادیں جو آپ کے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اور اگر آپ نے یہ نہ کیا تو گویا اس کے کسی پیغام کو نہیں پہنچایا اور خدا آپ کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا اللہ کافروں کی ہدایت نہیں کرتا

خود اہل سنت کے مفرین نے قبول کیا ہے کہ یہ آیت حضرت علیؑ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جن میں ثعلبی اور سیوطی سرفہرست ہیں

تفسیر ثعلبی میں ہے کہ یہ آیت غدیر خم میں نازل ہوئی جس کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا: "**من کنت مولا ہ فعلی مولا ہ**"، جس کا میں مولا ہوں اس کے یہ علی مولا ہیں۔

علامہ جلال الدین سیوطی اپنی تفسیر "در المنثور" میں کہتے ہیں ابن ابی حاتم، ابن مردویہ اور ابن عساکر نے ابو سعید خدری سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت " **يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ** "، رسول خدا ﷺ پر غدیر خم کے دن علی بن ابی طالب کے بارے میں نازل ہوئی۔[1]

یہ حدیث متواتر ہے ابو عبد اللہ محمد بن جعفر کتانی نے اپنی کتاب "نظم المتناثر من الحدیث المتواتر"[2] میں کہا ہے کہ حدیث نمبر (۲۳۲) "**من کنت مولا ہ فعلی مولا ہ**" کو مندرجہ ذیل صحابہ سے نقل کیا گیا ہے

۱۔ زید بن ارقم. ۲۔ حضرت علی. ۳۔ ابو ایوب انصاری. ۴۔ عمر بن خطاب. ۵۔ ذی مر. ۶۔ ابوہریرہ. ۷ طلحہ۔ ۸۔ عمارہ. ۹۔ ابن عباس۔ ۱۰۔ بریدہ ۔۱۱۔ ابن عمر۔ ۱۲ مالک بن حویرث۔ ۱۳ حبشی بن جنادہ۔ ۱۴۔ جریر۔ ۱۵ سعد بن ابی وقاص۔ ۱۶۔ ابو سعید خدری۔ ۱۷۔ انس۔ ۱۸ جندع انصاری۔ ۱۹ قیس بن ثابت۔ ۲۰ حبیب بن بدیل بن ورقاء۔ ۲۱ یزید یا زید بن شرجیل انصاری۔ ۲۲ براء بن عازب۔ ۲۳ ابو طفیل ۔ ۲۴ حذیفہ بن اسید غفاری۔ ۲۵ جابر

امام احمد نے روایت کی ہے کہ اس حدیث کو حضور سے تیس ۳۰ صحابہ نے سنا اور جب حضرت علی کے دور میں نزاع ہوا تو انھوں نے حضرت علی کے حق میں گواہی دی۔

لہذا اس حدیث کے متواتر ہونے میں کوئی شک نہیں ہم یہاں پر اختصار کو پیش نظر رکھتے ہوئے متعدد صحابہ عظام سے غدیر خم کے بارے میں نقل ہونے والی روایات کے مکررات کو حذف کر کے اصل مطلب آپ کے سامنے پیش کر رہے ہیں تاکہ تمام روایات کا مفہوم آپ درک کر سکیں۔

صحابہ سے منقول ہے:

"ہم نے حجۃ الوداع کی واپسی پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ غدیر خم میں قیام کیا یہاں تک کہ جو آگے نکل گئے تھے وہ پلٹ آئے اور جو پیچھے رہ گئے تھے وہ آپ ﷺ سے آملے[3] درختوں کے نیچے صفائی کی اور آپ ﷺ نے سائبان لگانے حکم دیا سائبان

---

[1] سیوطی الدر المنثور ج ۵ ص ۳۸۳ ذیل آیہ ۶۷ سورہ مائدہ

[2] ۔ دار لکتب السلفیہ للطباعۃ والنشر بمصر۔

[3] تاریخ مدینہ دمشق ج ۴۲ ص ۲۲۳

لگائے گئے[1] اس کے بعد نماز ظہر کا اعلان ہوا آپ نے نماز ظہر پڑھانے کے بعد ایک خطبہ دیا جس میں خدا کی حمد ثنا اور وعظ و نصیحت فرمائی اور جو کہنا تھا کہا[2] پھر فرمایا مجھے خداوند لطیف و خبیر نے خبر دی ہے کہ ہر نبی کو اس سے پہلے نبی سے آدھی عمر دی گئی ہے قریب ہے کہ مجھے (رب کی طرف) بلایا جائے تو میں قبول کروں مجھ سے بھی پوچھا جائے گا اور تم سے بھی سوال ہوگا تو تم لوگ کیا کہو گے لوگوں نے کہا ہم کہیں گے کہ آپ نے خدا کا پیغام پہنچایا اور خیر خواہی کی اللہ تعالی آپ کو جزاء خیر دے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کیا تم گواہی نہیں دیتے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد اس کے بندے و رسول ہیں، جنت حق ہے، دوزخ حق ہے قیامت آکر رہے گی اس میں کوئی شک نہیں ہے اور اللہ قبروں سے مردوں کو زندہ کرے گا؟ لوگوں نے کہا کیوں نہیں ہم گواہی دیتے ہیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے لوگوں کیا میں نے پہنچا دیا انھوں نے کہا ہاں آپ نے پہنچا دیا آپ نے فرمایا اے اللہ تو گواہ رہنا پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے لوگوں کیا میں نے پہنچا دیا انھوں نے کہا ہاں آپ نے پہنچا دیا آپ نے فرمایا اے اللہ تو گواہ رہنا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے لوگوں کیا میں نے پہنچا دیا انھوں نے کہا ہاں آپ نے پہنچا دیا آپ نے فرمایا اے اللہ تو گواہ رہنا[3] پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں سے (تین بار) سوال کیا تمہارا ولی کون ہے؟ انھوں نے کہا خدا اور اس کا رسول، تمہارا ولی کون ہے؟ انھوں نے کہا خدا اور اس کا رسول، تمہارا ولی کون ہے؟ انھوں نے کہا خدا اور اس کا رسول[4] پھر آپ نے حضرت علی کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کیا میں مومنین پر ان کے نفسوں سے زیادہ حق نہیں رکھتا؟ سب نے کہا: ہاں پھر آپ نے فرمایا کیا میں ہر مومن پر اس کے نفس سے زیادہ حق نہیں رکھتا؟ سب نے کہا ہاں کیا میں تمہارے اوپر تمہاری ماں سے زیادہ حق نہیں رکھتا؟ سب نے کہاں، پھر فرمایا کیا میں تم پر تمہارے باپ سے زیادہ حق نہیں رکھتا؟ سب نے کہا ہاں پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہارے اوپر زیادہ حق دار نہیں ہوں؟ کیا میں نہیں ہوں؟ کیا میں نہیں ہوں؟ سب نے کہا آپ ہم پر ہم سے زیادہ مستحق ہیں[5] اس کے بعد آپ نے فرمایا: **جس کا میں مولا ہوں یہ علی بھی اس کا مولا ہیں** خدایا تو اس کو دوست رکھ جو اس کو مولا مانے اور اس کو دشمن رکھ جو اس کو دشمن رکھے (یعنی دشمنی کی بنا پر اس کو مولا نہ مانے) جو اس سے بغض رکھے تو اس سے بغض رکھ جو اس کی مدد کرے تو اسکی مدد فرما جو اس اعانت کرے تو اس کی اعانت فرما[6] جو اس کو رسوا کرے تو اس کو رسو فرما پھر فرمایا میں تمہارے لئے دو گرانقدر چیزیں چھوڑ کر جارہا ہوں ان میں ایک خدا کی کتاب ہے دوسرے میرے اہلبیت ؑ ہیں پھر آپ نے فرمایا اے لوگوں میں تم سے پہلے حوض کوثر پر جانے والا ہوں اور تم (بعد میں) حوض پر آو گے جس کی چوڑائی اتنی ہے جتنی میرے سامنے سے صنعاء تک کی دوری اس میں ستاروں کی تعداد کے برابر برتن ہیں جب تم میرے پاس آو گے تو میں تم سے (ان) دو گرانقدر چیزوں کے بارے میں سوال کروں گا دیکھو تم ان کے بارے میں میری کیسے نیابت کرو ان میں اللہ کی کتاب ثقل اکبر ہے جس کا ایک سرا خدا کے ہاتھ میں اور دوسرا سرا تمہارے ہاتھ میں ہے

---

[1] ۔ ابوبکر محمد بن حسین آجری کتاب الشریعۃ تحقیق عبداللہ بن عمر بن سلیمان دمیجی چاپ دار الوطن ج ۷ ص ۲۰۴۹۔

[2] تاریخ مدینہ دمشق ج ۴۲ ص ۲۱۶

[3] تاریخ مدینہ دمشق ج ۴۲ ص ۲۲۰

[4] تارخ مدینہ دمشق ج ۴۲ ص ۲۲۳

[5] تاریخ مدینہ دمشق ج ۴۲ ص ۲۲۱

[6] طبرانی معجم الکبیر ج ۴ ص ۱۷ چاپ مکتبہ ابن تیمیہ قاھرہ

اسے مضبوطی سے پکڑلو گمراہ نہ ہوگے اور تبدیلی نہ کرو اور دوسرے میری عترت یعنی میرے اہل بیت[1] ہیں مجھے لطیف و خبیر نے بتایا ہے کہ یہ دونوں جدا نہیں ہونگے یہاں تک کہ میرے پاس میرے حوض پر آئیں"

ابو سعید خدری فرماتے ہیں حضرت علی کے اعلان ولایت کے بعد جبرئیل امین یہ آیت لے کر نازل ہوئے **الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا** "آج میں نے تمہارے لئے دین کامل کر دیا ہے اپنی نعمتوں کو تمام کر دیا ہے اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسندیدہ بنادیا ہے..."

حضرت علی علیہ السلام کی ولایت کے اعلان کے بعد عمر ابن خطاب نے حضرت علی سے ملاقات کی تو کہا: "اے ابوطالب کے بیٹے اب آپ ہر مؤمن مرد اور مؤمنہ عورت کے مولا بن گئے ہیں"[2]۔

حتی اس اہم ترین واقعہ کے برسوں بعد ایک شخص (راوی) نے زید بن ارقم سے پوچھا کیا آپ نے یہ رسول اللہ سے سنا؟ انھوں نے کہا: ان سائبانوں میں جو بھی تھا ہر ایک نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سے سنا[3] شعیب ارنووط کہتے ہیں یہ حدیث صحیح ہے دمیجی نے کہا اس کی سند صحیح ہے مذکورہ مطالب اہل سنت کی کتابوں میں ذکر ہوے ہیں

حتی اہل سنت کی کتب میں ہے احادیث موجود ہیں جو اس کی فضیلت پر دلالت کرتی ہیں مثلا یہ حدیث جو ۱۸ ذی الحجہ کو روزہ رکھے گا خداوند متعال اس کو چھ مہینوں کے روزے کا ثواب عطا فرمائے گا[4]؛ اور یہ دن وہی عید غدیر کا دن ہے عید غدیر کی رات بھی مسلمانوں کے درمیان معروف راتوں میں شمار ہوتی ہے[5]

---

[1] ۔ سورہ مائدہ ۶۷

[2] ۔ شیبانی، أحمد بن حنبل ابو عبد اللہ (متوفی ۲۴۱ھ)، مسند أحمد بن حنبل، ج ۴، ص ۲۸۱، ح ۱۸۵۰۲، ناشر: مؤسسۃ قرطبۃ – مصر؛

[3] ۔ طحاوی، شرح مشکل الاثار چاپ موسسہ الرسالۃ ج ۵ ص ۱۸، ابوبکر محمد بن حسین آجری کتاب الشریعۃ تحقیق عبد للہ بن عمر بن سلیمان دمیجی چاپ دار الوطن ج ۷ ص ۲۰۴۹۔

[4] ۔ ابن خلکان، ج ۱، ص ۶۰

[5] ۔ ثعالبی، ص ۵۱۱۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام کے فضائل اور خصوصیات

ڈاکٹر شاذیہ مھدی

انسان کی بنیادی اور فطری ضرورتوں می ایک بہترین نمونہ عمل کی ضرورت ہے جس کی اہمیت بچپن سے ہی محوس کی جاتی ہے۔ انسان زندگی کے مختلف مراحل میں نہیں جان پاتا کہ اس کو کس سمت اور کس رفتار سے جانا ہے، موانع اور مشکلات سے نمٹنا ہے اور آگے بڑھ کر مسائل کا سامنا کرنے میں کیا طریقہ اختیار کرنا ہے۔ اور یہ سب مسائل انسان کو حیران اور سرگردان کردیتے ہیں۔ اسی لیے انسان کو اس کی منزل تک پہنچانے اور دنیا سے اخرت تک کے سفر کی رہنمائی کے لیے اسلام نے "قرآن" اور حضرت پیغمبر اسلام اور ائمہ معصومین ؑ کو قرار دیا گیا ہے۔ اسی لیے اسلامی زندگی سے مراد قرآنی طرز زندگی اور اہل بیت علیہم السلام کا طریقہ عمل ہے، جو کامیابی اور منزل مقصود کی طرف لے جاتے ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

اَطِيعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ [1] ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو، رسول اور صاحبانِ امر کی اطاعت کرو۔

تمام شیعہ مفسّرین اس بات پر متفق ہیں کہ اُولی الامر سے مراد معصوم ائمہ علیہم السلام ہیں جنہیں خدا اور رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے زندگی کے تمام پہلوؤں میں اسلامی معاشرے کی مادی اور روحانی قیادت عطا کی ہے۔ فعل "اطیعوا" کا تکرار اس بات کی علامت ہے کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی اطاعت مطلقاً واجب ہے اسی طرح "اولی الامر" کی اطاعت بھی غیر مشروط ہے۔ اولی الامر کو نبی ﷺ کی طرح معصوم ہونے کے ساتھ ساتھ ایمان و توکل، خلوص و جرأت، زہد و تقویٰ، سخاوت و بخشش، تعلیم و تربیت اور دوسری تمام صفات میں انسان کامل ہونا چاہیے تب ان کی اطاعت و پیروی ضروری اور لازم ہے۔ اسی لیے معصومین علیہم السلام میں وہ تمام صفات اور کمالات پائے جاتے ہیں جو نبی اکرم ﷺ میں موجود ہیں۔ ہمارے ساتھویں امام جناب موسیٰ کاظم علیہ السلام بھی اسی مقام اور منزلت پر فائز ہیں۔ آپ کے والد بزرگوار امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

فَإِنَّهُ أَفْضَلُ وُلْدِي وَ مَنْ أُخَلِّفُ مِنْ بَعْدِي وَ هُوَ الْقَائِمُ مَقَامِي وَ الْحُجَّةُ لِلّٰهِ تَعَالَى عَلَى كَافَّةِ خَلْقِهِ مِنْ بَعْدِي وہ میری اولاد میں سب سے بہتر اور افضل ہے۔ وہی میرے بعد میری جگہ پر قائم رہے گا اور میرے بعد تمام مخلوقات پر خدا کی حجت ہو گا۔

ابن ابی الحدید نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے بارے میں تحریر کیا ہے: جمع من الفقه والدين والنسك والحلم والصبر[2] "امام موسیٰ کاظم ؑ میں فقہ، تقویٰ، عبادت، تحمل و بردباری اور دوسری خوبیاں جمع تھیں۔" امام موسیٰ کاظم تمام صفات اور فضائل کا مجموعہ تھے جن میں سے بعض کی طرف اشارہ کردیا ہے۔

سخاوت و بخشش

---

[1]: سورہ نساء آیت ۵۹

[2]: شرح نہج البلاغہ، ج ۱۵، ص ۲۷۳

امام کے فضائل میں جو چیز سب سے زیادہ قابل ذکر ہے وہ ان کی سخاوت اور بخشش ہے جو اس دور میں آپ کی سخاوت اور گذشت کی مثالیں دی جاتی تھی۔ جب ضرورت مند اور مسکین آپ کے پاس آتے، تو آپ ان کے ساتھ نیکی اور بھلائی کرتے اور اپنی تھیلی میں سے دل کھول کر عطا کر دیتے تھے۔ روایت ہے: "وفی کمّہ صرر من الدّراھم فیعطی من لقیہ ومن ارادبرّہ وکان یضرب المثل بصرّۃ موسی" [1] آپ کے پاس ہمیشہ درہموں سے بھرا تھیلا ہوتا تھا اور آپؑ جس سے بھی ملتے تھے یا جس کی نظر آپ پر ہوتی تھی، اسے اس تھیلے میں دے دیتے تھے، چنانچہ آپ کا یہ تھیلا ضرب المثل بن گیا تھا۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام باب الحوائج کے لقب سے بھی معروف ہیں۔ آپؑ کے اعلیٰ اخلاق خصوصیات میں سے ایک، نیکی اور حسن سلوک تھا۔ حاجت مند اپنی حاجات کو آپؑ کے پاس لے جاتے۔ جس کو بھی آپ سے کوئی درخواست ہوتی تھی وہ مایوس واپس نہیں لوٹتا تھا۔ اس وقت تمام گھروں کا ایک دروازہ ہوتا تھا لیکن آپ کے گھر کے کئی دروازے تھے۔ جن میں سے ایک دروازہ ضرورتمند اور غریبوں کے لیے مخصوص تھا اور وہ اسی دروازے سے داخل ہو کر امامؑ کے پاس دعا کی درخواست اور ضروریات پوری کرنے کے لیے جاتے تھے۔ شیخ مفید فرماتے ہے "كَانَ أَبو الحسن موسى أَعْبَدَ أَهْلِ زَمانِهِ وأَفْقَهَهمْ وأَسْخاهم كَفّاً وأَكْرَمَهم نَفْساً." [2]

حضرت امام ابوالحسن اپنے دور کے سب سے زیادہ متقی و عبادتگذار، فقیہ، سخی اور سب سے زیادہ باعزت اور صاحب کرام شخصیت تھے۔

علم وحکمت

ابن ابی الحدید نے نہج البلاغہ کی شرح میں آپؑ کے بارے میں تحریر کیا ہے:

جمع من الفقہ والدّین والنّسك والحلم والصّبر [3] یعنی فقہ، مذہب، عبادات، حلم وبردباری اور صبر سب کچھ آپؑ میں جمع تھا۔

عبادت وبندگی

قرآن مجید میں خدا کی عبادت کو، تخلیق کا مقصد اور الٰہی انبیاء کے بھیجنے کی وجہ بیان کی گئی ہے۔ رسول خدا ﷺ اور ائمہ اطہار علیہم السلام عبادات، دعا اور خدمت خلق میں تمام انسانوں کے رہنما رہے ہیں اور خدا کی طرف سے، تمام عالم بشریت اور انسانی معاشرے کے لیے بہترین نمونہ ہیں۔ امام موسیٰ کاظمؑ بھی عبادت اور بندگی میں بے مثال تھے، اس دور میں کوئی آپ جیسا حافظ قرآن نہیں تھا۔ آپ نہایت خوبصورت آواز میں قرآن کی تلاوت کرتے تھے۔ آپؑ کی تلاوت قرآن سے لوگوں کے دل میں ایک خوشگوار کیفیت طاری ہوجاتی تھی، اور سننے والے رو پڑتے تھے، اہل مدینہ نے آپکو "زین المجتھدین" کا خطاب دیا تھا۔ [4]

ابن شہر آشوب نے لکھا ہے: موسیٰ بن جعفر علیہ السلام فقہ اور حفظ قرآن میں اپنے زمانے کے تمام لوگوں سے افضل تھے۔ بہترین آواز کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے۔ قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہوئے وہ رو پڑتے اور حاضرین بھی رو پڑتے۔ آپ کی عزت اور

---

[1]: تہذیب التہذیب، ج ا ص ۳۳۹

[2]: شیخ مفید، الارشاد ج ۲، ص ۲۳۱

[3]: شرح نھج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۱۵، ص ۲۹۱

[4]: شیخ مفید، الارشاد، جلد ۲، ص ۲۳۵

مقام سب سے برتر تھا۔' آپ نے کئی سال قید خانے میں گزارے اور سارا وقت وہاں پر خدا کی عبادت میں مصروف رہے۔ اس لیے بہت سے زندان بان آپ سے متاثر ہوئے اور امامؑ کو ان سخت حالات میں رکھنے سے انکار کر دیا۔ ہارون نے ربیع سے آپ کے بارے میں کہا: امّا انّ ھذا من رھبان بنی ھاشم۔ یہ شخص بنی ہاشم کے راہبوں میں سے ہے۔

ربیع کہتا ہے: میں نے ہارون سے کہا: تم نے اسے کیوں قید کیا؟۔

ہارون نے جواب دیا: ھیھات لابدّ من ذلك اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔ [۲]

یہاں تک کہ جب ہارون کے حکم سے جیل لے جایا گیا تو آپؑ نے خدا کا شکر ادا کیا کہ عبادت کرنے کا موقع ملا اور فرمایا: اے خدا، میں نے ہمیشہ تجھ سے تیری عبادت کے لیے فرصت اور فراغت مانگی اور تو نے مجھے وہ فرصت فراہم کی۔ تو میں تیرا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ [۳]

شیخ مفید کی کتاب الارشاد میں یہ آیا ہے أَنَّه كانَ يُصلّي نوافلَ الليلِ ويَصِلُها بصلاةِ الصُّبحِ، ثمَّ يُعقِّبُ حتّى تَطلُعَ الشَّمسُ، ويخرُّ للّهِ ساجِداً فلا يَرفَعُ رَأْسَهُ مِنَ الدعاءِ والتمجيدِ حتّى يَقرُبَ زوالُ الشَمسِ"

آپ رات کو نوافلی نمازیں ادا کرتے اور انہیں صبح کی نماز سے جوڑتے، پھر سورج نکلنے تک اس کی تعقیب کرتے، اور خدا کے حضور میں سجدہ ریز رہتے جب تک ظہر کا وقت قریب نہ آجاتا، دعا اور تسبیح کے لیے سر نہیں اٹھاتے تھے۔ [۴]

کاظم الغیض

امامؑ نے اپنی زندگی کے دوران چار عباسی خلفاء کے ظلم و ستم کو برداشت کیا، ابو العباس سفاح، منصور دوانقی، مہدی اور ہارون رشید۔ جنھوں نے امامؑ پر مختلف طریقوں سے ظلم ڈھائے۔ لیکن آپ نے صبر اور بردباری کا مظاہرہ کیا اور ایسے جابر اور ظالم دشمنوں کے مقابلے میں حلم و بردباری کا رویہ اپنانے اور اپنے غصے کو دشمنوں کے سامنے دبانے کی وجہ سے انہیں "کاظم" کا لقب دیا گیا۔ کاظم کا مطلب ہے "خاموش" اور "غصے کو پی جانے والا" اس لقب سے کی شہرت کی وجہ زیادہ تر یہیں ہے کہ آپ نے دشمنوں کے ظلم و ستم پر صبر کیا اور ان کے ساتھ سختی نہیں کی۔ [۵]

امام کاظم علیہ السلام کے زیارت نامے میں، آپ کو اس جملے کے ساتھ سلام پیش کیا گیا ہے کہ الْمُعَذَّبِ فِي قَعْرِ السُّجُون "وہ جس کو قید خانوں میں اذیت دی گئی۔ قید کے دوران بھی کئی بار آپ کو ستایا گیا۔ لیکن زندان بانوں نے کبھی بھی آپ کی طرف سے غصے کا ایک لفظ بھی نہیں سنا۔ اہل سنت کے مورخ ابن اثیر، کا بیان ہے "ان کا نام کاظم اس لئے تھا۔ کیونکہ آپ کی عادت حسن سلوک تھی۔ [۶]

زہد و پرہیزگاری

---

[۱] ۔ مناقب آل ابی طالب ج ۴، ص ۳۴۸

[۲] ۔ عیون اخبار الرضا ج ۱، ص ۳۱

[۳] ۔ شیخ مفید، الارشاد، ۱۴۱۳ق، ج ۲، ص ۲۴۰

[۴] ۔ شیخ مفید الارشاد ج ۳ ص ۲۳۱

[۵] ۔ شیخ مفید، الارشاد، ۱۴۱۳ق، ج ۲، ص ۲۳۳.

[۶] ۔ شیخ عباس قمی، منتہی الآمال، ج ۲، ص ۳۳۵

امام موسیٰ کاظمؑ دنیاوی خواہشات اور اس کی لذتوں سے اس قدر دور اور مبرّا تھے کہ جو بھی ان کی پرھیزگاری اور تقویٰ کے بارے میں سنتا ہے وہ تعریف اور تمجید کے سوا کچھ نہیں بولتا۔ آپؑ نے لوگوں میں شہرت پانے کے غرض سے نہیں بلکہ اپنے سچے عقیدے اور ایمان کی وجہ سے دنیا کی خواہشات اور لذات سے آنکھیں بند کیں، اور اسی چیز نے دوسروں کو متاثر کیا اور آپ کی طرف مرغوب کر دیا۔ مثال کے طور پر ایک دن ہارون الرشید نے ایک خوبصورت کنیز کو امامؑ کی خدمت کے لیے قید خانے میں بھیج دیا۔ لیکن ہارون کا اصل ارادہ اس کام سے یہ تھا کہ اگر امامؑ نے اس سے کوئی خواہش ظاہر کی تو ہارون اس کے خلاف پروپیگنڈا کر کے آپ کو بدنام کر دے گا۔ لیکن امامؑ نے کنیز لانے والے سے فرمایا: "تمہیں ان تحفوں سے لگاؤ ہے اور تم کو ان سے رغبت ہے؟۔ مجھے اس تحفے یا اس جیسی کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے"

قصہ سن کر ہارون کو غصہ آیا اور اس نے کنیز کو قید میں لے جانے کا حکم دیا اور کہا کہ امام سے کہو کہ قید میں اس کنیز کی موجودگی لازمی ہے۔ اس کے بعد وہ خفیہ طور پر خادمہ اور امام کے درمیان تعلقات کی نگرانی کرتا رہا۔ ابھی زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ جاسوسوں نے اطلاع دی کہ یہ کنیز زیادہ تر وقت سجدہ میں گزارتی ہے۔ ہارون نے فوراً خادمہ کو اپنے پاس بلایا اور اس سے پوچھ گچھ کی۔ لیکن اس کنیز نے امام کے بارے میں نیکی اور پاکدامنی کے سوا کچھ نہیں کہا۔[1]

تعلیم و تربیت۔

امام کاظم علیہ السلام نے اپنے والد محترم کی طرح اپنے شاگردوں کی تربیت کی اور دینی اور علمی میدان کو مضبوطی اور وسعت بخش دی۔ آپ کی سرپرستی اور پرفیض محضر میں سینکڑوں شاگردوں نے مختلف علوم میں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ امام علیہ السلام نے بے شمار شاگردوں کی اس لئے پرورش اور تربیت فرمایی تاکہ ان کے ذریعے لوگوں میں حقیقی دین اور اسلامی تعلیمات کو عام کر سکیں۔ طلباء امام کی بارگاہ میں حاضر ہو کر ان کی مجلس میں بیٹھتے اور جو کوئی فتویٰ یا بیان سنتے تو اسے لکھ کر قلمبند کرتے تھے۔ ان شاگردوں اور اصحاب میں علی بن یقطین، ہشام بن حکم، ہشام بن سالم، محمد بن ابی عمیر، حماد بن عیسی، یونس بن عبد الرحمن، صفوان بن یحیی و صفوان جمال وغیرہ شامل تھے۔ جنھوں آپ کی کافی احادیث بیان کیے ہیں۔

عزیز اللہ عطاردی کی کتاب مسند الامام کاظم میں آپ سے تین ہزار سے زائد احادیث جمع کی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ بعض یہودی اور عیسائی علماء کے ساتھ حضرت موسیٰ بن جعفرؑ کی بحثیں اور گفتگویں تاریخی اور حدیثی منابع میں نقل ہوئی ہیں جو ان کے سوالات کے جواب میں تھیں۔ اور آپ کے علمی مرتبے کی بہترین دلیل ہے۔

---

[1] شیخ مفید، الارشاد ج ۲، ص ۲۳۱

میثم تمار، شہید راہ عشق و ولایت

محمد حسنین باقری

ولایت اصل و اساس دین ہے، حقیقی اور بالذات ولی تو بس خدا ہے إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ[1] اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ[2] لیکن اسی خدا نے رسول، امام علی و دیگر ائمہ علیہم السلام کو ولایت عطا کی ہے امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی ولایت کے اعلان پر تکمیل دین کی سند دے کر آپ کی ولایت کو معیار قرار دیا ہے (سورہ مائدہ، آیت ۳)، امام علی کی ولایت پر آکر ہی مومن و منافق کا فرق واضح ہوتا ہے، روایات گواہ ہیں کہ امیر المومنین علیہ السلام کی ولایت کے بغیر خدا اور رسول کی ولایت کا تصور نہیں ہے، امام علی کی ولایت کے ذریعہ ہی ولایت رسول اور ولایت خدا کو سمجھا جاسکتا ہے اسی لئے امیر المومنین کی ولایت کی عظمت کے اظہار کے لئے وقت پڑنے پر سب سے پہلے بنت نبی حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام نے راہ ولایت سے عشق کا ثبوت پیش کرتے ہوئے اس راہ میں اپنی شہادت کا نذرانہ پیش کیا۔ اس عظیم عمل کی پیروی کرتے ہوئے دیگر موالیان امیر المومنین کی طرح حضرت میثم تمارؓ نے بھی اس راہ میں عشق امیر المومنینؑ کی مثال پیش کر کے جام شہادت نوش کیا۔

جناب عمار یاسرؓ واقعی عاشق ولایت تھے آپ کا نام نامی میثم تمارؓ اَسدی کوفی تھا، والد کا نام یحیی تھا، آپ امیر المومنین علی اور امام حسن و امام حسین علیہم السلام کے صحابی تھے لیکن امیر المومنین کے خاص صحابی کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔

بیان کیا گیا ہے کہ آپ عجمی تھے لیکن بنی اسد کی ایک خاتون کے غلام ہونے کی وجہ سے اس قبیلے سے منسوب کئے گئے حضرت علی علیہ السلام نے انہیں خرید کر آزاد کیا اور جب میثمؓ نے کہا کہ میرا نام سالم ہے تو حضرت نے فرمایا: "پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مجھے خبر دی ہے کہ تمہارے والدین نے تمہارا نام "میثم" رکھا تھا"، میثمؓ نے تصدیق کی؛ اور اس کے بعد اسی نام کو اختیار کیا اور اسی سے مشہور ہوئے۔

ان کی کنیت "ابوسالم" اور "ابو صالح" تھی جناب میثم بازار کوفہ میں کھجور فروخت کرتے تھے کھجور کو تمر کہتے ہیں اسی لئے ان کو "تمار" کا لقب دیا گیا، ایک روایت کے مطابق وہ "دار الرزق" نامی مقام پر خربوزے فروخت کرتے تھے۔

گویا راہ ولایت میں محنت و مشقت اور رزق حلال کے حصول میں کسی طرح کی کوتاہی نہیں کی اور نہ محنت میں عار محسوس کیا۔ اس طرح ہر عاشق ولایت کے لئے ایک عملی سیرت پیش کی کہ اقتصادی میدانوں میں محنت کے ذریعہ آگے بڑھنا ضروری ہے۔

میثم تمار اہل بیت رسولؐ سے والہانہ عقیدت اور شدید محبت کرتے تھے۔ اس طرح سے کہ اہل بیت علیہم السلام کی بھی خصوصی عنایات ان کے شامل حال تھیں ام المؤمنین ام سلمہؓ کے بقول، رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بارہا میثم تمارؓ کو اچھے الفاظ میں یاد کیا ہے اور امیر المؤمنینؑ سے ان کی سفارش کی ہے۔ میثمؓ کو امام علیؑ کی خاص توجہ حاصل تھی اور انھوں نے امامؑ سے بہت سے علوم کسب کئے۔ آپؑ نے میثمؓ کو "اسرارِ

---

[1] سورہ مائدہ، آیت ۵۵

[2] سورہ بقرہ، آیت ۲۵۷

وصیت "سمیت بہت سے علوم سکھائے اور انہیں غیبی امور سے آگاہ کیا اور انہیں ان "آزمائے ہوئے مؤمنین" کے گروہ میں قرار دیا جو رسول اللہؐ کے اوامر اور اہل بیت علیہم السلام کی احادیث کے ادراک اور تحمل کے سلسلے میں اعلی ترین مقام و منزلت سے بہرہ ور تھے۔ ان حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ میثمؓ روحانی ظرف اور اہلیت کے بلند مرتبہ پر فائز تھے۔

گویا عشق ولایت میں اپنے اندر لیاقت و اہلیت پیدا کی جس کے نتیجے میں اپنے کو اہل بیت علیہم السلام سے اتنا قریب کیا کہ انکے علوم سے بہرہ مند ہوئے اور علمی بلندیاں سر کیں اور ایک صاحب علم کی حیثیت سے بھی اپنی پہچان بنائی۔

جناب میثم تمارؓ کی پیشن گوئیوں میں؛ معاویہ کی موت کی پیشن گوئی؛ مکہ کی "جبلہ" نامی خاتون کو امام حسینؑ کی شہادت کی خبر دینا؛ اپنے قبیلے کے سربراہ کے ہاتھوں گرفتار ہونے اور ابن زیاد کے حکم سے مارے جانے؛ نیز مختار بن ابی عُبَیدہ ثقفی کے قید خانے سے رہا ہونے کی پیشن گوئیاں شامل ہیں۔

مذکورہ خصوصیات کی بنا پر میثم تمار کو امام علیؑ کے برگزیدہ صحابی اور جلیل القدر دوستوں اور حواریوں کے زمرے میں شمار کیا گیا ہے؛ حتی کہ بعض روایات میں میثم تمار کو ''شُرطۃ الخمیس'' کے اراکین میں شمار کیا گیا ہے۔ ''شرطۃ الخمیس'' کے اراکین وہ بہادر اور جان نثار افراد تھے جنہوں نے امیر المؤمنینؑ کے ساتھ عہد کیا تھا کہ وہ جنگوں میں جان کی بازی لگانے تک آپؑ کا ساتھ دیں گے۔

اس طرح ایک ایسے عاشق علی اور محب اہل بیت بن کر سامنے آئے کہ امام کی نظر عنایت کو اپنی جانب متوجہ کیا اور امام کی نگاہ میں بھی اپنے کو کسی لائق بنا کر پیش کیا اور گویا یہ پیغام دیا کہ خود محبت کا دعوی کرنا اور ہے اور امام کی زبان سے اپنے کو چاہنے والا کہلوانا اور ہے۔

امیر المؤمنینؑ کے زمانے کی جنگوں میں میثمؓ کی شرکت کے بارے میں کوئی روایت نقل نہیں ہوئی ہے۔ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ امامؑ کی حکومت کے آخری ایام میں آپؑ سے متعارف ہوئے ہیں۔ میثمؓ سے منقولہ روایات کا تعلق بھی امام علی علیہ السلام کی حکومت کے آخری ایام سے ہے۔

امام علیؑ کے بعد میثم تمارؓ امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کے وفادار اصحاب میں شمار ہونے لگے۔

سنہ ۶۰ ہجری میں، امام حسینؑ کے قیام اور واقعۂ کربلا سے کچھ عرصہ قبل، میثمؓ مکہ مکرمہ مشرف ہوئے اور وہاں امام حسینؑ سے نہ مل سکے تو ام المؤمنین ام سلمہؓ سے امامؑ کا حال دریافت کیا۔ ام سلمہؓ نے انہیں امامؑ کے احوال سے آگاہ کیا۔ میثمؓ نے کوفہ کی طرف پلٹتے ہوئے ام سلمہؓ سے کہا: "میرا سلام امامؑ کو پہنچادیں اور کہہ دیں کہ میں اللہ کی بارگاہ میں ان کا دیدار کروں گا"۔

امام علیؑ نے میثمؓ کو ان کی شہادت کی کیفیت، ان کے قاتل اور کھجور کے درخت پر لٹکائے جانے کی خبر، اور بشارت دی تھی کہ ان کے لئے کوفہ میں یزید کے والی عبید اللہ بن زیاد کے سامنے مزاحمت کی پاداش، یہ ہوگی کہ "وہ آخرت میں امامؑ کے ساتھ اعلی مرتبے پر فائز ہونگے"۔ کہا جاتا ہے کہ میثم تمارؓ اسی درخت کے پاس نماز بجالاتے تھے اور اس درخت سے گفتگو کرتے تھے۔ میثم تمارؓ اپنی شہادت کی خبر- جو انھوں نے امام علیؑ سے سن رکھی تھی- دوسروں کے لئے بھی نقل کرتے تھے۔ اسی قسم کی ایک روایت کے مطابق، میثم تمارؓ اور حبیب بن مظاہرؓ نے اپنی شہادت کی خبر ایک جماعت کے درمیان نقل کی لیکن حاضرین نے ان دونوں کا مزاق اڑایا۔

جناب میثم تمارؓ کی گرفتاری اور شہادت کے سلسلے میں مختلف روایتوں میں سے ایک روایت یہ ہے کہ: میثم تمارؓ کوفہ کے بعض تاجروں کی درخواست پر کوفہ کے عامل کی شکایت اور اس کی برطرفی کے مطالبے کی غرض سے، ان کے ہمراہ ابن زیاد کے پاس پہنچے۔ میثمؓ نے وہاں بلیغ خطبہ دیا۔ عَمرو بن حُریث، جو-ابن زیاد کی طرف سے کوفہ کا والی، عثمانی مسلک اور دشمن اہل بیتؑ تھا اور اس وقت دارالامارہ میں موجود تھا، اس نے میثم تمار پر جھوٹ اور جھوٹوں کی پیروی کا الزام لگایا لیکن میثمؓ نے کہا "میں سچا اور سچے (علی علیہ السلام) کا پیروکار ہوں"۔

ابن زبیر نے میثمؓ کو حکم دیا کہ علیؑ سے بیزاری کا اظہار اور آپؑ کی بدگوئی کریں، اور اس کے بجائے عثمان سے دوستی اور محبت کا اظہار کریں اور ان کا خیر و نیکی سے تذکرہ کریں۔ اس نے میثم کو دھمکی دی کہ اگر انھوں نے اس کے حکم کی تعمیل نہ کی تو ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دے گا اور انہیں تختہ دار پر لٹکائے گا۔ گو کہ میثمؓ اس موقع پر تقیہ کر سکتے تھے لیکن انھوں نے شہادت کا راستہ انتخاب کیا اور کہا: "امام علیؑ نے مجھے آگاہ کیا ہے کہ ابن زیاد میرے ساتھ یہی سلوک کرے گا اور ان کی زبان کو بھی کاٹے گا"۔ ابن زیاد نے بزعم خود، اس غیبی خبر کو جھٹلانے کی خاطر حکم دیا کہ میثم کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں اور انہیں عمرو بن حریث کے گھر کے قریب تختہ دار پر لٹکا دیا جائے۔

میثم نے تختہ دار پر بلند آواز سے لوگوں کو بلایا اور کہا کہ حضرت علیؑ کی حیرت انگیز حدیثیں سننے کے لئے جمع ہو جائیں، انھوں نے بنو امیہ کے فتنوں اور بنو ہاشم کے بعض فضائل بیان کیے، عمرو بن حریث نے میثم کی حق بیانی اور عوام کے جمع غفیر کو دیکھا تو عجلت کے ساتھ ابن زیاد کے پاس پہنچا اور اس کو حقیقت حال سے آگاہ کیا۔ ابن زیاد نے رسوائی کے خوف سے، حکم دیا کہ میثم کے منہ پر لگام باندھی جائے کہا گیا ہے کہ میثم تمارؓ اسلام میں وہ پہلے شخص تھے جن کے منہ پر لگام باندھی گئی۔

ایک روایت کے مطابق، عمرو بن حریث نے-جو لوگوں کے میثم کے کلام کی طرف رجحان اور یزیدی حکومت کے خلاف ان کی شورش سے خوفزدہ تھا-ابن زیاد سے درخواست کی کہ میثمؓ کی زبان کٹوادے ابن زیاد مان گیا اور اپنے ایک محافظ کو ایسا کرنے کے لئے روانہ کیا۔ میثم نے زبان کٹوانے سے پہلے حاضرین کو یاد آوری کرا دی کہ "امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ ابن زیاد میرے ہاتھ پاؤں اور زبان کٹوا دے گا اور ابن زیاد نے کہا تھا کہ وہ میری زبان نہیں کٹوائے گا اور میرے مولا کی پیشنگوئی کو جھٹلا دے گا لیکن وہ اس پیشنگوئی کو نہ جھٹلا سکا۔

ایک روایت کے مطابق میثم کے تختہ دار پر لٹکائے جانے کے تیسرے روز، ایک خنجر سے ان کے پیٹ کو زخمی کیا گیا اور انھوں نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔ اسی دن شام کے وقت ان کے منہ اور ناک سے خون جاری ہوا اور شہید ہو گئے۔ البتہ ابن ابی الحدید نے لکھا ہے کہ بنو امیہ کے خلاف اور بنو ہاشم کے حق میں خطاب کرنے کے ایک دن بعد ان کے منہ پر لگام باندھی گئی، ان کے منہ اور ناک سے خون جاری ہوا اور تیسرے روز خنجر کا زخم کھا کر شہید ہوئے۔ میثم تمار کی شہادت ۲۲ ذی الحجہ سنہ ٦٠ ہجری میں، امام حسینؑ کے عراق میں داخلے سے قبل واقع ہوئی۔ ابن زیاد نے ان کے بے جان جسم کی تدفین سے منع کیا تاہم کوفہ کے چند کھجور فروشوں نے رات کی تاریکی میں ان کی میت تختہ دار سے اتار کر قبیلۂ مراد کی زمینوں میں واقع پانی کے ایک گڑھے میں سپرد خاک کر دی۔

اس طرح ایک سچا عاشق علی اپنی زبان کٹوا کر، دار پر چڑھ کر جام شہادت نوش کر کے ولایت امیر المومنین علیہ السلام کی عظمت کا اعلان کرتے ہوئے اس دنیا سے رخصت تو ہو گیا لیکن حق پسندوں اور ولایت کے راہیوں کے۔

مباہلہ فریقین کی نظر میں

سید تقی عباس رضوی کلکتوی

توحید کے مزاج کا مظہر مباہلہ   حقانیت کی جیت کا منظر مباہلہ
ہر با ضمیر فرد کے اندر مباہلہ   ہوتا ہے صرف سچ کا مقدر مباہلہ
جیسے خدا کا سورۂ اخلاص ہو گیا
یہ لفظ پنجتنؑ کے لئے خاص ہو گیا

مباہلہ تاریخ اسلام کا ایک مسلم الثبوت واقعہ، حق و باطل کا امتیاز، سچ اور جھوٹ کا رزم نامہ، اسلام کی عیسائیت پر ابدی فتح و ظفر، ابطالِ تثلیث، اثباتِ توحید، صداقتِ نبوت، تصدیق امامت اور اہل بیت اطہار علیہم السلام کی عظمت و وقار کی ایک زندہ و جاوید سند ہے۔ یہ وہ معروف و مشہور واقعہ ہے جسے شیعوں میں مناقب ابن شہر آشوب، احقاق الحق قاضی نور اللہ شوستری، مصباح المتہجد شیخ طوسی، مجمع البیان طبرسی، حق الیقین مجلسی، الارشاد شیخ مفید... سنیوں میں طبری تاریخ الامم والملوک، سیرتِ ابن اسحاق، الکامل فی التاریخ ابن اثیر، الطبقات الکبری، ابن سعد، تاریخ یعقوبی، تفسیر بیضاوی، تفسیر زمخشری، تفسیر فخر رازی اور تفسیر ابن کثیر وغیرہ میں صراحت سے بیان کیا گیا ہے۔[1]

مباہلہ: ایک قرآنی اصلاح ہے جس کا مطلب، دو لوگوں یا گروہوں کی خود کو حق پر ثابت کرنے کے لیے خداوند عالم سے ایک دوسرے کے خلاف بد دعا کرنا ہے۔ مباہلہ کے لغوی معنی ایک دوسرے پر لعن و نفرین کرنے کے ہیں۔[2]
بھلہ اللہ، یعنی خدا اس پر لعنت کرے اور اپنی رحمت سے دور کرے۔[3]

اصل مباہلہ کا لفظ اھل کے وزن پر مادہ "بھل" سے آزاد کرنے اور کسی چیز سے قید و بند اٹھانے کے معنی میں ہے۔ اور اسی وجہ سے جب کسی حیوان کو آزاد چھوڑتے ہیں تا کہ اس کا نوزاد بچہ آزادی کے ساتھ اس کا دودھ پی سکے، اسے "باھل" کہتے ہیں، اور دعا میں "ابتھال" تضرع اور خداوند عالم پر کام چھوڑنے (توکل) کو کہتے ہیں۔
اصطلاحی معنی میں "ابتھال" کے معنی میں دو اقوال ہیں:
ا۔ ایک دوسرے پر لعن کرنا، اگر دو افراد کے درمیان ہو،

---

[1] ۔ تفسیر ابن کثیر ص ۴۳۸/سیرت ابن اسحاق بیان تفسیر ابن کثیر میں/تفسیر بیضاوی ص ۷۴
[2] ۔ الجوہری، اسمعیل بن حماد، الصحاح، ۱۴۰۷۔ ذیل مادہ بھل
[3] ۔ الزمخشری، محمود، ۱۴۱۵ق، ج ۱، ص: ۳۶۸

۲۔ کسی کی ہلاکت کی نیت سے بد دعا کرنا۔ جیسا کہ مذکورہ بالا سطور میں ہم نے بیان کیا ہے کہ مباہلہ کے معنی ایک دوسرے پر لعن و نفرین کرنے کے ہیں۔ دو افراد یا دو گروہ جو اپنے آپ کو حق بجانب سمجھتے ہیں، دونوں ایک دوسرے کے مقابلے میں بارگاہ الٰہی میں التجا کرتے ہیں کہ اور چاہتے ہیں کہ خداوند متعال جھوٹے پر لعنت کرے تاکہ سب کے سامنے واضح ہو جائے کہ کونسا فریق حق بجانب ہے۔ مباہلے کا عمومی مفہوم یہ بیان کیا جاتا ہے کہ دو مد مقابل افراد آپس میں یوں دعا کریں کہ اگر تم حق پر اور میں باطل ہوں تو اللہ مجھے ہلاک کرے اور اگر میں حق پر اور تم باطل پہ ہو تو اللہ تعالی تجھے ہلاک کرے۔ پھر یہی بات دوسرا فریق بھی کہے۔[1]

واقعۂ مباہلہ ۲۴/ ذی الحجہ سن ۱۰/ ہجری میں اس وقت واقع ہوا جب آپؐ نے دیگر تمام ممالک اور مختلف علاقوں کے سربراہوں کی طرح ایک خط نجران کے نصرانیوں کیلئے بھی لکھا۔[2]

اس خط میں وارد ہوا ہے کہ: میں تمہیں بندوں کی پرستش سے خدا کی پرستش کی طرف اور بندوں کی سرپرستی سے خدا کی سرپرستی کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ اگر تسلیم نہیں کرو گے تو ضروری ہے کہ جزیہ دو ورنہ تمہارے خلاف اعلانِ جنگ کرتا ہوں۔[3] خط کے اس متن کے بارے میں کچھ لوگ قائل ہیں کہ یہ سورہ آل عمران کی آیت ۶۴ بھی اس خط کا حصہ تھی۔[4]

اس آیتِ کریمہ میں خداوند عالم فرماتا ہے: کہہ دو کہ اے اہل کتاب جو بات ہمارے اور تمہارے دونوں کے درمیان یکساں (تسلیم کی گئی) ہے اس کی طرف آؤ وہ یہ کہ خدا کے سوا ہم کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو خدا کے سوا اپنا کار ساز نہ سمجھے اگر یہ لوگ (اس بات کو) نہ مانیں تو (ان سے) کہہ دو کہ تم گواہ رہو کہ ہم (خدا کے) فرماں بردار ہیں۔[5]

عیسائیوں نے نامہ دریافت کرنے کے بعد مشاورت کی اور فیصلہ کیا کہ اپنے بزرگوں کے ایک وفد کو مدینہ روانہ کریں تاکہ رسول خداؐ سے مذاکرات و تبادلہ خیال کریں۔

ابن ہشام لکھتے ہیں: نجران کے نصرانیوں کا ساٹھ افراد پر مشتمل ایک وفد پیغمبرؐ سے ملاقات اور بات چیت کیلئے مدینہ پہنچا۔ ان میں ۱۴/ افراد سرکردہ تھے، ان میں سے بھی ۳/ اشخاص پورے وفد کی سربراہی کے فرائض انجام دے رہے تھے اور یہ لوگ اس زمانے کے عیسائیوں کیلئے قابل احترام شمار ہوتے تھے۔ ان میں سے ایک کا لقب "عاقب" تھا کہ جس کا نام اس زمانے میں عبد المسیح تھا۔ دوسرے کا لقب سید اور نام ایہم تھا۔ تیسرا "پادری" تھا اور اس کا نام "ابو حارثہ بن علقمہ" تھا۔[6]

---

[1] ۔ طبرسی، تفسیر مجمع البیان، ج ۲، ص ۷۶۲ تا ۷۶۱

[2] ۔ کوفی، احمد بن اعثم، الفتوح، ترجمہ محمد بن احمد مستوفی ہروی، ص ۱۰۳۶/البتہ اس واقعہ کے وقوع کے سن تاریخ میں کچھ لوگوں میں اختلاف پایا جاتا ہے بعض نے اسے ۹ ہجری کے واقعات میں شمار کیا ہے جیسے ابن کثیر و ابن ہشام وغیرہ جو تاریخی اعتبار سے نادرست ہے۔

[3] ۔ یعقوبی، ابن واضح، تاریخ یعقوبی، ترجمہ محمد ابراہیم آیتی، ج ۱، ص ۴۵۲

[4] ۔ احمدی میانجی، علی، مکاتیب الرسول، ج ۲، ص ۳۲۰

[5] ۔ آل عمران/سورہ ۳، آیہ ۶۴

[6] ۔ حمیری، ابن ہشام، سیرۃ رسول اللہ، ترجمہ سید ہاشم رسولی محلاتی، ج ۱، ص ۳۸۰

ابن سعد نے ان وفود کی مدینہ آمد اور پیغمبر اکرمؐ سے ملاقات کے حوالے سے لکھا ہے: عیسائی ریشم کے قیمتی لباس زیب تن کئے ہوئے تھے۔ اسی حال میں وہ مسجد میں داخل ہوئے اور مشرق کی طرف رخ کر کے عبادت کرنے لگے۔ پیغمبرؐ نے مسلمانوں سے فرمایا: انہیں آزادی سے اپنی عبادت کرنے دی جائے۔ پھر وہ انہی ملبوسات کے ساتھ پیغمبرؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے مگر پیغمبرؐ نے ملاقات نہیں کی۔ اگلے دن وہ راہبوں کے لباس میں حاضر ہوئے اور سلام کیا۔ پیغمبرؐ نے جواب دیا اور انہیں اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے قبول نہیں کیا اور بحث کا آغاز کر دیا۔۔۔۔[1]

آیہ مباہلہ کی شان نزول

پیغمبر اکرمؐ کے ساتھ نجران کے عیسائیوں نے جب مجادلہ شروع کر دیا اور حضرت عیسیٰؑ کو خدا اور بعض خود کو "تثلیث" یعنی پدر، پسر اور روح القدس تین خداؤں کا قائل کہنے لگے اور بات سے بات بڑھتی گئی تو بقول ابن ہشام: نجران کے عیسائیوں نے پیغمبرؐ کی خدمت میں عرض کیا: اگر عیسیٰؑ خدا کے بیٹے نہیں ہیں تو ان کے والد کون ہیں؟! تو قرآنی آیات نازل ہوئیں اور ان کی تخلیق کو آدمؑ کی تخلیق کی مثل قرار دیا۔ پھر بھی پیغمبر اکرمؐ کے ساتھ عیسائیوں نے اپنا مجادلہ جاری رکھا۔ پیغمبر اکرمؐ واضح و قاطع دلائل کے ساتھ ان کے باطل اقوال کو رد فرماتے رہے اور ان کے سوالات کا جواب دیتے رہے۔

مگر! نجران کے عیسائی متواتر حق کا انکار کیے جا رہے تھے اور اپنے باطل عقائد پر ڈٹے ہوئے تھے کہ اسی اثنا میں سورہ آل عمران کی ۶۱ویں آیت کریمہ نازل ہوئی۔

فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِن بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنفُسَنَا وَأَنفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ۔

آپ کے پاس علم آجانے کے بعد بھی اگر یہ لوگ (عیسیٰ کے بارے میں) آپ سے جھگڑا کریں تو آپ کہدیں: آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلاتے ہیں اور تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ، ہم اپنی خواتین کو بلاتے ہیں اور تم اپنی عورتوں کو بلاؤ، ہم اپنے نفسوں کو بلاتے ہیں اور تم اپنے نفسوں کو بلاؤ، پھر دونوں فریق اللہ سے دعا کریں کہ جو جھوٹا ہو اس پر اللہ کی لعنت ہو۔

شیعہ اور اہل سنت مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ آیت شریفہ رسول اکرمؐ کے ساتھ نجران کے نصاریٰ کے مناظرے کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اس آیت کریمہ کے مطابق پیغمبرؐ کو اپنے فرزندوں، خواتین اور اپنے نفسوں کو اپنے ہمراہ لانا تھا۔ آنحضورؐ کے ہمراہ حسن بن علیؑ، حسین بن علیؑ، فاطمہ زہراؑ اور علی بن ابی طالبؑ کے سوا کوئی نہیں تھا۔

[1] ۔ واقدی، محمد بن سعد، الطبقات الکبری، ترجمہ محمود مہدوی دامغانی، ج۱، ص ۳۴۶

[2] ۔ حمیری، ابن ہشام، سیرۃ رسول اللہ، ترجمہ سید ہاشم رسولی محلاتی، ج۱، ص ۳۸۳

زمخشری، فخر رازی، اور بیضاوی جیسے اہل سنت حضرات کے معروف و مشہور مفسرین کہتے ہیں کہ "ابنائنا" [ہمارے بیٹوں] سے مراد امام حسنؑ اور امام حسینؑ ہیں، "نسائنا" سے مراد حضرت فاطمہ زہراء علیہا السلام اور "انفسنا" [ہمارے نفس اور ہماری جانوں] سے مراد حضرت علیؑ ہیں۔ یعنی وہ چار افراد جو آنحضرتؐ کے ساتھ مل کر پنجتن آل عبا یا اصحاب کساء کو تشکیل دیتے ہیں۔[1]

مباہلے کا وقت اور مقام

مباہلہ ذی الحجہ کے مہینے میں ۲۴ تاریخ کو واقع ہوا اور اس کا مقام پیغمبرؐ کے زمانے میں مدینہ شہر سے باہر یمن کے پاس تھا جو آج کل شہر کی حدود میں شامل ہے۔ اس جگہ مسجد الاجابۃ کے نام سے ایک مسجد تعمیر کی گئی ہے۔ اس مسجد کا مسجد نبوی سے فاصلہ تقریبا دو کلومیٹر ہے۔

مباہلے کی تجویز پر نجران کے عیسائیوں نے پہلے اس کو کھلے دل سے تسلیم کر لیا، ان میں سے ایک نے کہا: اے ابوالقاسم! آپ نے انصاف سے کام لیا ہے، اس لیے کہ مباہلہ وہ نشانی ہے جو ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرے گی اور وعدہ کیا کہ اگلے دن ہم ضرور مباہلہ کریں گے۔

تاریخ کہتی ہے کہ حضرت ختمی مرتبت ﷺ اگلی صبح مباہلے کیلئے اس شان سے تشریف لائے کہ حضرت علیؑ کا ہاتھ تھامے ہوئے تھے اور حضرت حسنؑ و حسینؑ آگے آگے چل رہے تھے اور حضرت فاطمہؑ آپؐ کے پیچھے تھیں۔

عیسائی بھی آ گئے، ان کا پادری آگے آگے تھا۔ جب انہوں نے نبی اکرمؐ کو ان حضرات کے ساتھ دیکھا تو یہ درخواست کی کہ پیغمبرؐ کے ہمراہیوں کا تعارف کروایا جائے۔ انہیں بتایا گیا: هذا ابن عمه و زوج ابنته و أحب الخلق إليه و هذان ابنا بنته من علي و هذه الجارية بنته فاطمة أعز الناس عليه و أقربهم إلى قلبه؛ یہ ان کے چچازاد اور داماد ہیں، ان کے سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ یہ دونوں ان کے نواسے ہیں اور یہ خاتون ان کی بیٹی حضرت فاطمہؑ ہیں جو پیغمبرؐ کو سب سے زیادہ محبوب و عزیز ہیں۔

ایک دوسری روایت کے مطابق مباہلہ کے دن آنحضورؐ اس طرح نکلے کہ امام حسنؑ اور امام حسینؑ کا ہاتھ تھامے ہوئے تھے جبکہ حضرت علیؑ اور فاطمہ زہراؑ آپؐ کے ہمراہ تھے۔ یہ وہ تاریخی معرکہ ہے جس میں خدا کی وحدانیت، قرآن کے وقار، پیغمبرؐ کی عظمت اور آپؐ کی عترت اطہارؑ کی بالادستی علی الاعلان منائی گئی، یہی وہ واقعہ جس کے ذریعہ حضرت ختمی مرتبت ﷺ کے حقیقی آل کا تعارف ہوا، یہی وہ واقعہ جس کے ذریعہ ابطال تثلیث ہوا، یہ واقعہ خاندان نبوتؐ کے لئے وہ مقام مباہات ہے کہ پورے عالم اسلام اور بھرے شہر مدینہ میں جو مقام انہیں نصیب ہوا وہ کسی اور کو نہ ہوا، یہی وہ تاریخی واقعہ ہے جہاں دلیل کے بعد تلوار نہیں بلکہ کردار سے بات منوائی گئی

کچھ پھول تھے جو بن کے وقار چمن چلے — گھر سے مباہلہ کے لیے پنجتنؑ چلے
جس قافلے کی پشت پر خیبر شکن چلے — اس قافلے کی جیت پر کیوں نہ یقین ہو

[1] ۔ الزمخشری، تفسیر الکشاف، ذیل آیہ ۶۱ آل عمران، الرازی، التفسیر الکبیر، ذیل آیہ ۶۱ آل عمران، البیضاوی، تفسیر انوار التنزیل واسرار التاویل، ذیل آیہ ۶۱ آل عمران، قرآن کریم، توضیحات وواژہ نامہ از بہاء الدین خرمشاہی، ۱۳۷۶ شمسی ہجری، ذیل آیہ مباہلہ، ص ۵۷

نجران کے اشراف یہ منظر دیکھ کر خوفزدہ ہوگئے۔ ان میں سے ایک نے اپنے ساتھیوں سے کہا: خدا کی قسم! میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں جو اگر خدا سے دعا کریں کہ پہاڑ کو جابجا کر دے تو ایسا ہی ہوگا۔ ان میں سے ایک نے ابوحارثہ کو کہا: مباہلے کیلئے آگے بڑھو۔ اس نے کہا: میں ایک پر عزم و مصمم مرد کو مباہلہ کیلئے دیکھ رہا ہوں اور سچ میں مجھے خوف ہے کہ یہ صادق ہو اور اگر صادق ہوا تو ایک سال کے اندر اندر کوئی بھی عیسائی دنیا میں باقی نہیں رہے گا۔ عیسائی مباہلے سے دستبردار ہوگئے اور انہوں نے تسلیم کر لیا کہ رسول خداؐ کے ساتھ صلح کریں گے اور جزیہ دیں گے۔ ایک صلح نامہ لکھا گیا اور طے پایا کہ عیسائی ہر سال ۲۰۰۰ لباس جزیہ کے عنوان سے دیں گے، اس صورت میں نجران کے عیسائی اور ان سے وابستہ افراد خدا اور رسول کی پناہ میں اہل ذمہ ہوں گے اور ان کی جان، دین، اموال اور زمینیں محفوظ رہیں گی۔ پھر عیسائیوں نے پیغمبر اکرمؐ سے درخواست کی کہ ان کے ساتھ کوئی حاکم روانہ کر دیں تا کہ وہ ان میں قضاوت کے فرائض انجام دے۔ پیغمبر اکرمؐ نے ابو عبیدہ جراح کو روانہ کر دیا۔ کچھ عرصے کے بعد "عاقب اور سید "مدینہ آئے اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔

اللہ تعالیٰ نے مباہلے کا حکم حقیقت واضح ہونے کے بعد حق و باطل کو آشکار کرنے کی غرض سے تشریع کیا ہے۔ رسول اکرمؐ اور نجران کے عیسائیوں میں مباہلے نے دین اسلام کی حقانیت کو آشکار کیا۔ نجران کے عیسائی جب اس حقانیت کو سمجھ گئے تو مباہلے کیلئے تیار نہ ہوئے۔ اس کے علاوہ آیت مباہلہ سے اہل بیتؑ کے فضائل ایک مرتبہ پھر قرآن کی زبانی بیان ہوئے اور عالم بشریت خاص کر مکہ و مدینہ میں رہنے والے خاندانی معاندین کو خاندان عصمت و طہارت کے اعلیٰ و ارفع مقام کی خبر ہوئی۔

آیت مباہلہ کی شان نزول اور اس معروف واقعہ کی تفصیلات کو بہت سے سنی مؤرخین اور مفسرین نے مستند دلیلوں کے ساتھ اپنے اپنے منابع میں ذکر کیا ہے، ہم یہاں سب سے پہلے ان مؤرخین کا تذکرہ کریں گے جنہوں نے اس واقعہ کو دسویں سال ہجری کے واقعات کے تحت بیان کیا ہے، جیسے: ابن اثیر نے الکامل میں، ابن خلدون نے اپنی تاریخ میں، مقریزی نے "امھات الاسماء" میں، ذہبی نے "تاریخ اسلام" میں، مسعودی نے "التنبیہ و شرف" میں، یاقوت حموی نے "معجم البلدان" میں اور ابن جوزی نے "المنتظم" میں۔ لیکن "ابن کثیر" نے اس واقعہ کو ۹ ہجری کے واقعات میں شامل کیا ہے۔ "ابن ہشام" بھی اسے ہجری کے ابتدائی سالوں سے متعلق سمجھتے ہیں، لیکن یہ نظریہ درست نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ عرب قبیلوں اور قبیلوں کے وفود اور نمائندے فتح مکہ اور اسلام کے پھیلنے کے بعد رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں پہنچے۔

سنی تاریخی ذرائع نے شیعوں کی طرح واقعہ مباہلہ کو تفصیل سے بیان نہیں کیا ہے "مسعودی" "التنبیہ والاشرف" میں مباہلہ کے واقعہ کو مختصراً ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں: نبی کریم ﷺ پانچویں ذی قعدہ کو حج کی غرض سے نکل گئے۔ لہذا اس اعتبار سے مسعودی کے مطابق مباہلہ کا واقعہ ذی قعدہ کے مہینے میں ہوا۔

"ابن کثیر" نے "البدایۃ والنہایہ" میں خط کا متن اس طرح ذکر کیا ہے:

«بِسْمِ إِلَهِ إِبْرَاهِيمَ وَ إِسْحَاقَ وَ يَعْقُوبَ مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللَّهِ إِلَى أُسْقُفِّ نَجْرَانَ وَ أَهْلِ نَجْرَانَ إِنْ أَسْلَمْتُمْ فَإِنِّي أَحْمَدُ إِلَيْكُمُ اللَّهَ إِلَهَ إِبْرَاهِيمَ وَ إِسْحَاقَ وَ يَعْقُوبَ أَمَّا بَعْدُ فَإِنِّي أَدْعُوكُمْ إِلَى عِبَادَةِ اللَّهِ مِنْ عِبَادَةِ

الْعِبَادِ وَ أَدْعُو كمْ إِلَى وَلَايَةِ اللَّهِ مِنْ وَلَايَةِ الْعِبَادِ فَإِنْ أَبَيتُمْ فَالْجِزْيَةُ فَإِنْ أَبَيتُمْ فَقَدْ آذَنْتُكمْ بِحَرْبٍ وَ السَّلَامُ؛ ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کے خدا کے نام سے، محمدؐ، خدا کے نبی، نجران کے پادری اور نجران کے لوگوں تک! اگر تم اسلام قبول کرو گے تو میں تمہارے ساتھ ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کے خدا کی تعریف کروں گا۔ لیکن اس کے بعد میں تمہیں بندوں کی عبادت سے خدا کی عبادت کی طرف اور بندوں کی ولایت سے خدا کی ولایت کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ اگر آپ اسے یاد کرتے ہیں، تو اسے ادا کریں! اور اگر تم نے دوبارہ انکار کیا تو میں تمہیں جنگ کے لیے بلاؤں گا۔

بیہقی نے "دلیل النبوۃ" میں اور صالحی نے "سبل الہدی" میں رسول اللہ ﷺ کے خط کو "ابن کثیر" کی طرح دیا ہے۔ لیکن "یعقوبی" نے اس خط کو مختلف انداز میں بیان کیا ہے جیسے: «بِسْمِ اللَّهِ فَإِنِّي أَحْمَدُ إِلَيكمْ إِلَهَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيعْقُوبَ...»

البتہ یہ تمام مؤرخین و مفسرین پنجتن پاک علیہم السلام کا پیغمبر اکرم ﷺ کے ساتھ میدان مباہلہ میں جانے پر متفق آرا نظر آتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ صرف حضرت علیؑ، حضرت فاطمہؑ اور حضرات حسنین کریمینؑ کو اپنے ساتھ مباہلہ میں لے گئے تھے اور کسی دوسرے صحابی یا خاندان والے کو نہیں لے گئے تھے۔

جن مؤرخین نے اس واقعہ کا ذکر کیا ہے ان میں: یعقوبی نے "تاریخ یعقوبی" میں، ابن قتیبہ دینوری نے "الامامۃ السیاسہ" میں، خرکوشی نے "شرف النبی" میں، ابن اثیر نے "الکامل" اور "اسد الغابہ" میں، ذہبی نے "اسلامی تاریخ" میں، ابن حجر نے "الاصابہ" میں، مقریزی نے "امتعۃ الاسماء" میں، صالحی نے "سبل الہادی" میں اور حلبی سیرت حلبی" لیکن ان میں سے بعض مؤرخین نے حضرت علیؑ کے نام کا ذکر نہیں کیا ہے، جیسے: بلازری نے "فتوح البلدان" میں، ابن سعد نے "طبقات الکبری" میں، بیہقی نے "دلائل نبوۃ البلدان" میں اور ابن کثیر میں "«البدایۃ والنہایۃ»."۔

اگرچہ ابن کثیر نے "البدایۃ والنہایۃ" کی پانچویں جلد میں حضرت علیؑ کا نام حذف کر دیا ہے؛ مگر ساتویں جلد کے صفحہ تین سو انتیس میں فضائل امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کے تحت "سعد بن ابی وقاص" کی روایت کو بیان کیا ہے جس میں ہے کہ یہ آیت حضرت علی علیہ السلام کے حق میں نازل ہوئی۔ ابن کثیر نے ناچاہتے ہوئے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ مباہلہ کے دوران حضرت علیؑ بھی موجود تھے۔ اور مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام کی یہی سب سے بڑی فضیلت تھی جس کو حضرت علیؑ کے دشمن چھپانا چاہتے تھے یہ وہ اہم واقعہ ہے جس سے تاریخ میں متعدد بار اہل بیتؑ کی حقانیت کے اثبات کے لیے استناد و استدلال کیا گیا ہے اور حضرت امیر المؤمنینؑ، حضرت و امام حسنؑ امام حسینؑ اور باقی آئمہ طاہرینؑ اور دیگر نے اسلام کی حقانیت کو ثابت کرنے کے لئے اس واقعے کے ذریعے سے استدلال کئے ہیں۔

جیسا کہ تاریخ میں ہے کہ عامر ابن سعد ابن ابی وقاص، سعد ابن ابی وقاص سے نقل کرتا ہے کہ: معاویہ نے سعد سے کہا: تم علیؑ پر سب و شتم کیوں نہیں کرتے ہو؟ سعد نے کہا: جب تک مجھے تین چیزیں یاد ہونگی کبھی بھی ان پر سبّ و شتم نہیں کروں گا اور اگر ان تین باتوں میں سے ایک کا تعلق مجھ سے ہوتا تو میں اس کو سرخ بالوں والے اونٹوں سے زیادہ دوست رکھتا، اس کے بعد سعد نے ان تین باتوں کا ذکر

کیا اور کہا ہے تیسری بات یہ تھی کہ جب آیت: فَقُلْ تَعَالَوْاْ نَدْعُ أَبْنَاءنَا وَأَبْنَاءكُمْ وَنِسَاءنَا وَنِسَاءكُمْ وَأَنفُسَنَا وَأَنفُسَكُمْ...نازل ہوئی، تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علیؑ، فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ کو اپنے پاس بلایا اور فرمایا: اللھم هؤلاء اهل بیتی خداوندا! یہ میرے اہل بیتؑ ہیں۔

نیز ایک روایت میں ہے کہ مأمون عباسی نے امام رضاؑ سے سؤال کیا کہ قرآن کی رو سے امام علیؑ کی سب سے بڑی فضیلت کیا ہے؟ امام رضاؑ نے فرمایا: مباہلہ میں رسول اللہؐ نے خدا کے حکم سے امام حسنؑ اور امام حسینؑ کو اپنے بیٹوں کے عنوان سے، حضرت فاطمہؑ کو خواتین کے اعتبار سے جبکہ امیر المؤمنینؑ کو اپنی جان اور نفس کے عنوان سے اپنے ہمراہ لے آئے۔ کائنات میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے برتر کوئی مخلوق نہیں ہے؛ پس خدا کے حکم کے مطابق پیغمبر اکرمؐ کی جان اور نفس سے زیادہ برتر اور بافضیلت کوئی شخص نہیں ہے۔[1]

ہر خشک و ترنبیؐ کے برادر سے پوچھیئے　　　کیوں کر مباہلہ ہوا حیدرؑ سے پوچھیئے

صلح حدیبیہ ہو کہ ہجرت کی داستاں　　　جو پوچھنا ہو نفس پیمبرؐ سے پوچھیئے

بہر حال! بنوامیہ و بنوعباس کے اکثر نمک خوار مؤرخین و مفسرین کی ہی وجہ سے آج! جب ہم عید مباہلہ لکھتے یا بولتے ہیں ایک غالب اکثریت یہ پوچھتی ہے کہ یہ کس مسلک یا فرقے کی عید ہے؟! اب کون بتائے کہ یہ عالم اسلام کی عید ہے۔

خاندانِ نبوتؐ کے مخالفین بنوامیہ اور بنوعباس کے آلہ کار متعصب الذہن صاحبان قلم نے مسلمانوں کو اصل عیدوں سے روشناس ہی نہیں کرایا انہوں نے یہ چاہا ہی نہیں کہ اس بات کی تشہیر و تبلیغ ہو جس سے محمد و آل محمد علیہم السلام کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے جس سے اہل بیتؑ کی سب پر برتری عیاں ہوتی ہے اس لئے اہل بیتؑ کی خوشی میں خوش ہونا اور ان کے غم میں مغموم ہونا ان کے یہاں متروک قرار دیا گیا لہٰذا آج عید مباہلہ ایک فرقہ سے منسوب ہو کر رہ گئی ہے، اے کاش! اگر مؤرخین و مفسرین اسے تعصب کی عینک سے نہ دیکھتے اور اسلام کے تمام تر تاریخی واقعات کی طرح اسے بھی صراحت کے ساتھ بیان کرتے تو آج دنیا کا ہر مسلمان اس عید کو ملکر مناتا مگر افسوس! جب انہیں مباہلہ ہی سمجھ میں نہیں آیا تو پھر غدیر کیا سمجھ میں آئے گا؟!

مباہلہ کیا؟ نگاہِ باطل کی ایک آواز ''الاماں'' ہے

مباہلہ کیا؟ اصولِ دیں پر تنا امامت کا سائباں ہے

مباہلہ کیا؟ نبی کی بیٹیؑ کے ایک ہونے کا ترجماں ہے

کہ صادقینِ ازل کے چہروں پہ درج وحدت کی داستاں ہے

آخر میں، تاریخی ذرائع کا جائزہ لینے سے، ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ شیعہ و سنی مورخین اور مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مباہلہ کے دوران اپنے خاندان کے سب سے معزز اور سب سے پیارے افراد کو اپنے ساتھ لیا اور خاندان یا اصحاب میں سے کوئی اور آپؐ کے ساتھ نہیں تھا۔ حق و باطل اور سچ و جھوٹ کے امتیاز کی اس تقریب میں گھر و خاندان اور صحابہ و صحابیہ شریک ہونے سے

---

[1] ۔ مفید، الفصول المختارہ، ۱۴۱۴ھ، ص ۳۸۔

محروم رہے۔جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ خدا اور اس کے رسولؐ کی نگاہ میں خاندان نبوّت میں بس علیؑ وفاطمہؑ حسنؑ اور حسینؑ کے کوئی اور شامل نہیں اور قرآن مجید بھی انہی کو قرابت دار سمجھتا اور ان ہی کے احترام و تعظیم اور انہی سے محبت و مؤدت کرنے کو فرض جانتا ہے۔

فدکؑ کے غاصب بھی جانتے ہیں کہ ان کی ذلت مباہلہ ہے — ازل کے جھوٹوں پہ آج تک بھی خدا کی لعنت مباہلہ ہے
خدا کی وحدانیت کی سن لو بس اک شہادت مباہلہ ہے — نبیؐ کے پیاروں کو دو جہاں کی ملی جو دولت مباہلہ ہے
زمیں پہ ہے عید پنجتنؑ یہ فلک پہ تاروں کی عید ہے یہ — گلے ملو تو درود پڑھ کر نبیؐ کے پیاروں کی عید ہے یہ[1]

تاریخ کے اوراق پر ثبت یہ حقائق عصر حاضر میں ہر متلاشیانِ حق کو حق کے سفر کو جاری رکھنے اور اسلام کی صحیح روح کو جاننے کی دعوت دیتے ہیں اور حق کی تلاش و جستجو ہر انسان کا بنیادی فریضہ ہے اور اہل بیتؑ کا راستہ ہی حق کا راستہ ہے اور یہی کشتیٔ نجات ہیں ہمارے عقیدے کے مطابق اہل بیتؑ مقام عصمت کے مالک ہیں اور ہر ایک شخص حتیٰ تمام اصحاب پر فوقیت رکھتے ہیں ان کی محبت و مودت تمام مسلمانوں پر واجب و ضروری ہے اہل بیت نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی مسلمانوں کی ولایت و امامت کے عہدے دار ہیں نیز مسلمانوں پر فرض ہے کہ دینی مسائل میں انہی حضراتؑ کو اپنا مرجع سمجھیں اور ان سے ہی رجوع کریں تاکہ دنیا و آخرت میں سرخروئی نصیب ہو سکے

ہے ان کا ذکر مقدم جو بعد ذکر خدا
اسی سے ابتدا اور انتہا کرے بندہ
انہی کی ذات سے ہوتی ہیں سب بلائیں دور
انہی کی ذات سے ہوتا ہے نعمتوں کا وفور
سخی ہیں ایسے سخاوت پہ جا سکے نہ کوئی
کرم ہے ایسا کرامت پہ جا سکے نہ کوئی

***

[1] ۔شاعر اہل بیتؑ صفدر ہمدانی

آیت اللہ سید امجد حسین رضوی الہ آبادی

سید رضی حیدر پھندیڑوی

تاریخ کی ورق گردانی کرنے یہ بات علم میں آجاتی ہے کہ آئمہ معصومین علیہم السلام کی حیات سے ہی سرزمین ہندوستان پر ہمیشہ علماء، مجتہدین اور محدثین رہیں ہیں اور یہ ہی نہیں کہ وہ صرف محدث یا مجتہد تھے بلکہ مؤمنین نے ان کی تقلید کی ہے اور جب جب ان سے رجوع کیا گیا تو انہوں نے لوگوں کے مسائل حل کر کے ان کو مطمئن بھی کیا ہے۔ ایک وقت تھا جب عراق اور ایران کے علمائے کرام ہندوستانی علمائے کرام کی طرف علمی مسائل خصوصا اعتقادی مسائل میں رجوع کرتے تھے مگر آج ہم نے اپنی علمی شناخت ہی مٹادی ہے۔ انہیں مجتہدین میں سے ایک آیت اللہ سید امجد حسین الہ آبادی بھی ہیں جن کی زندگی پر طائرانہ نگاہ کریں گے تاکہ سامعین کو کچھ اندازہ ہو سکے۔

آیت اللہ سید امجد حسین سنہ ۱۲۸۰ ہجری میں سرزمین قصبہ رسول پور سونی ضلع الہ آباد پر پیدا ہوئے۔ آپ کے والد مولانا سید منور علی الہ آبادی بھی عالم باعمل انسان تھے۔ آپ کے دادا سید محمود علی رضوی متقی و پرہیز گار اور جید عالم دین تھے۔

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی اس کے بعد تحصیل علوم آل محمد کے لئے عازم لکھنؤ ہوئے اور وہاں رہ کر جید اور بزرگ اساتذہ کرام کی خدمت میں زانوئے ادب تہہ کئے۔ جن میں سے مفتی سید محمد عباس شوشتری، آیۃ اللہ سید احمد علی محمد آبادی، تاج العلماء علی محمد لکھنوی وغیرہ کے اسماء قابل ذکر ہیں۔

آیت اللہ امجد حسین طاب ثراہ لکھنؤ میں دس سال جید اساتذہ سے کسب فیض کرنے کے بعد اپنے وطن واپس آگئے اور تدریس، تصنیف، تالیف، اور امام جمعہ و جماعت کی سرگرمی میں مشغول ہو گئے۔

ایک عرصہ خدمات انجام دینے کے بعد آپ نے اعلیٰ تعلیم کے حصول کی خاطر نجف اشرف عراق کا رخ کیا اور وہاں رہکر تقریباً دس سال جید اساتذہ کرام سے فقہ، اصول، تفسیر اور حدیث کے دروس کی تکمیل کر کے اجتہاد کا ملکہ پیدا کر لیا، نجف اشرف کے معروف اساتذہ میں سے: آیۃ اللہ سید محمد کاظم طباطبائی، آیۃ اللہ محمد طہٰ نجفی اور آیۃ اللہ محمد علی رشتی کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔

آیۃ اللہ العظمیٰ سید امجد حسین رضوی کو نجف اشرف کے مجتہدین نے اجتہاد اور نقل روایت کے اجازے عطافرمائے جن میں سے آیۃ اللہ شیخ محمد نجفی، آیۃ اللہ مرزا محمد نجفی، آیۃ اللہ سید محمد کاظم یزدی وغیرہ کے اسماء قابل ذکر ہیں۔ ان اجازات کی اہم عبارتوں میں یہ فقرہ "—یہ مطلقاً مجتہد ہیں اور ان پر کسی کی تقلید کرنا حرام ہے" بھی شامل ہے۔

علامہ شیخ آقا بزرگ تہرانی نے آپ کو عالم جلیل کہہ کر یاد کیا ہے۔ علامہ کی تحریر کچھ اس طرح ہے: الہ آباد میں موجود عالم جلیل، مبلغ شریعت،

الہ آباد کے باشندوں کے مرجع، عربی اور ادب میں مفتی محمد عباس شوشتری کے شاگردوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ فقہ و اصول عراق میں پڑھا، تقویٰ، ورع اور احتیاط میں معروف ہیں، ہم نے ان کا نام سنا ہے لیکن ان کی زیارت سے فیضیاب نہ ہو سکے۔

آیت اللہ امجد حسین رضوی صاحب سنہ ۱۳۱۹ ہجری میں نجف اشرف سے اپنے وطن واپس آکر شہر الہ آباد میں اپنے دینی فرائض کی انجام دہی میں مشغول ہو گئے۔

موصوف نے علمی ذخیرہ کافی مقدار میں چھوڑا ہے جس میں سے: زبدۃ المعارف در اصول دین، وسیلۃ النجاۃ فی احکام الصلوٰۃ، شرح ذخیرہ علامہ بہائی علیہ الرحمۃ اور خلاصۃ الطاعات فی احکام جمعہ و جماعت کے نام سرفہرست ہیں۔

آیت اللہ امجد حسین طاب ثراہ مجسمہ تقدس و تقویٰ، خوش اخلاقی و سادگی کے دلدادہ، مہمان نواز اور اپنی سخاوت کے سبب خواص و عوام کے دلوں میں گھر کئے ہوئے تھے۔ پاک نفسی کا یہ عالم تھا کہ بدعمل شخص کے یہاں کھانا کھانے سے پرہیز کرتے اور اس کے یہاں جانے سے منع فرماتے تھے۔ مہمان نوازی کا یہ عالم تھا کہ بغیر مہمان کے کھانا نہیں کھاتے تھے۔

آپ نے سنہ ۱۳۲۷ ہجری میں الہ آباد کے محلہ چک میں ایک دینی مدرسہ بنام "مدرسہ جعفریہ" قائم فرمایا جس میں تشنہ گان علوم آل محمد کو سیراب کیا جاتا رہا۔

جس سال آیت اللہ العظمیٰ سید امجد حسین رضوی کی رحلت ہوئی اسی سال آپ نے اپنے مقبرہ کی تعمیر کرائی تھی جس میں ہر شب تلاوت قرآن مجید کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہمیں اسی سال دار فانی سے دار بقا کی جانب کوچ کرنا ہے۔ ایک روز ایک بندہ مومن آپ کے شریعت کدہ پر حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ کفن پر کچھ لکھ رہے ہیں اس مومن نے پوچھا کہ آپ یہ کیا کر رہے ہیں تو فرمایا کہ کل اسی وقت میری تجہیز و تکفین ہوگی اس کا انتظام کر رہا ہوں۔ آخر کار ایسا ہی ہوا اور یہ مجسمہ علم و عمل اور مرجع وقت ۲۳/ربیع الاول سنہ ۱۳۵۰ ہجری مطابق ۱۸/ اگست سنہ ۱۹۳۱ عیسوی میں داعی اجل کو لبیک کہہ گیا۔ آپ کی رحلت کی خبر آگ کی مانند پھیل گئی اور مؤمنین کا کثیر مجمع آپ کے بیت الشرف کی طرف امنڈ پڑا، علماء، فضلاء، طلاب، مؤمنین نے تشییع جنازہ میں شرکت کی، ناصر الملت آیت اللہ سید ناصر حسین موسوی نور اللہ مرقدہ الشریف نے نماز جنازہ پڑھائی اور مجمع کی ہزار آہ و بکا کے ہمراہ ان کے اپنے تعمیر کردہ مقبرہ میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

آخر میں اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا ہے کہ پالنے والے آیت اللہ سید امجد حسین الہ آبادی نور اللہ مرقدہ الشریف کے درجات بلند فرما، ہماری قوم کی علمی شناخت کو واپس پلٹا دے، علماء و مجتہدین کو اخلاص عطاء فرما آخری حجت کے ظہور ان تعجیل فرما آمین والحمد للہ رب العالمین۔

اخباری تراشے

معاونت آموزش:

جامعہ المصطفیٰ العالمیہ ایک ایسا دینی اور علمی ادارہ ہے جس نے پوری دنیا میں قرآن اور اہل بیت علیہم السلام کے حیات آفرین مکتب اور قرآنی بنیادوں پر استوار، خالص اسلامی تعلیمات کی اشاعت و توسیع کا پرچم اٹھار کھا ہے اور اس نے آگاہ، ماہر اور مخلص علمادین کی تعلیم و تربیت اور علم کی راہ میں کوشاں لوگوں کی رشد و نمو کے لئے اپنی ساری کوششوں اور توانائیوں اور امکانات کو بروے کار لگار کھا ہے۔

اس سلسلہ میں مختلف مواقع پر طالب علموں کی تعلیمی و تحصیلی توانائیوں کا جائزہ لینے کے ساتھ مختلف راہوں اور ذرائع سے حصول علم کے امکانات فراہم کئے نیز مطلوبہ حد تک علمی ترقی کے امکانات کی فراہمی کو اصلی ہدف قرار دیا ہے۔

ہندوستان میں واقع نمائندگی جامعہ المصطفیٰ مذکورہ مقاصد کے تحت پورے ہندوستان میں موجود خود سے ملحقہ حوزات علمیہ اور دینی مدارس کے طالب علموں کا علمی لحاظ سے اختبار لینے کی غرض سے چھٹا کل ہند علمی مسابقہ منعقد کر رہا ہے

معاونت پژوهش:

الحمد للہ اس بار متعدد درسی اور غیر درسی کتب کو چاپ کیا مدارس دینیہ کی طرف درسی کتابوں کے ارسال کی تیاری جاری ہے اس کے علاوہ چند مدارس کو کتابیں ارسال بھی کی جا چکی ہیں اس کے علاوہ تمام مدارس سے ارتباط قائم کیا گیا

معاونت فرہنگی وارتباطات:

تیسری بار مدیران مدارس کا ایران کا دورہ جس میں انھوں مختلف علمی شخصیات جیسے رئیس جامعۃ المصطفیٰ حجۃ الاسلام آقای دکتر عباسی و معاون محترم بین المللی مقام معظم رہبری آیت اللہ قمی و امام جمعہ مشهد آیت اللہ علم الهدی اور دیگر اہم شخصیات سے ملاقات اور علمی نشست ہوئی جس کا اصل ہدف مدارس کی بہتری کے لئے مسئولین اور مدیران کے درمیان تبادلہ خیال تھا

اسی طرح نمایندگی جامعۃ المصطفیٰ کی جانب سے پہلی بار یونیورسٹیز کے فارسی دان اسٹوڈینٹ کے لئے ایران میں ایک ماہ آموزش زبان فارسی کی کلاس منعقد ہوئی جس میں پٹیالہ اور دہلی کی یونیورسٹی کے ۱۵۔ اسٹوڈینٹ نے شرکت کی اسی کے ساتھ انھوں نے ایران کے کلچر سے آشنائی کے لئے کاشان، تہران، اصفہان اور قم وغیرہ کا سفر کیا۔